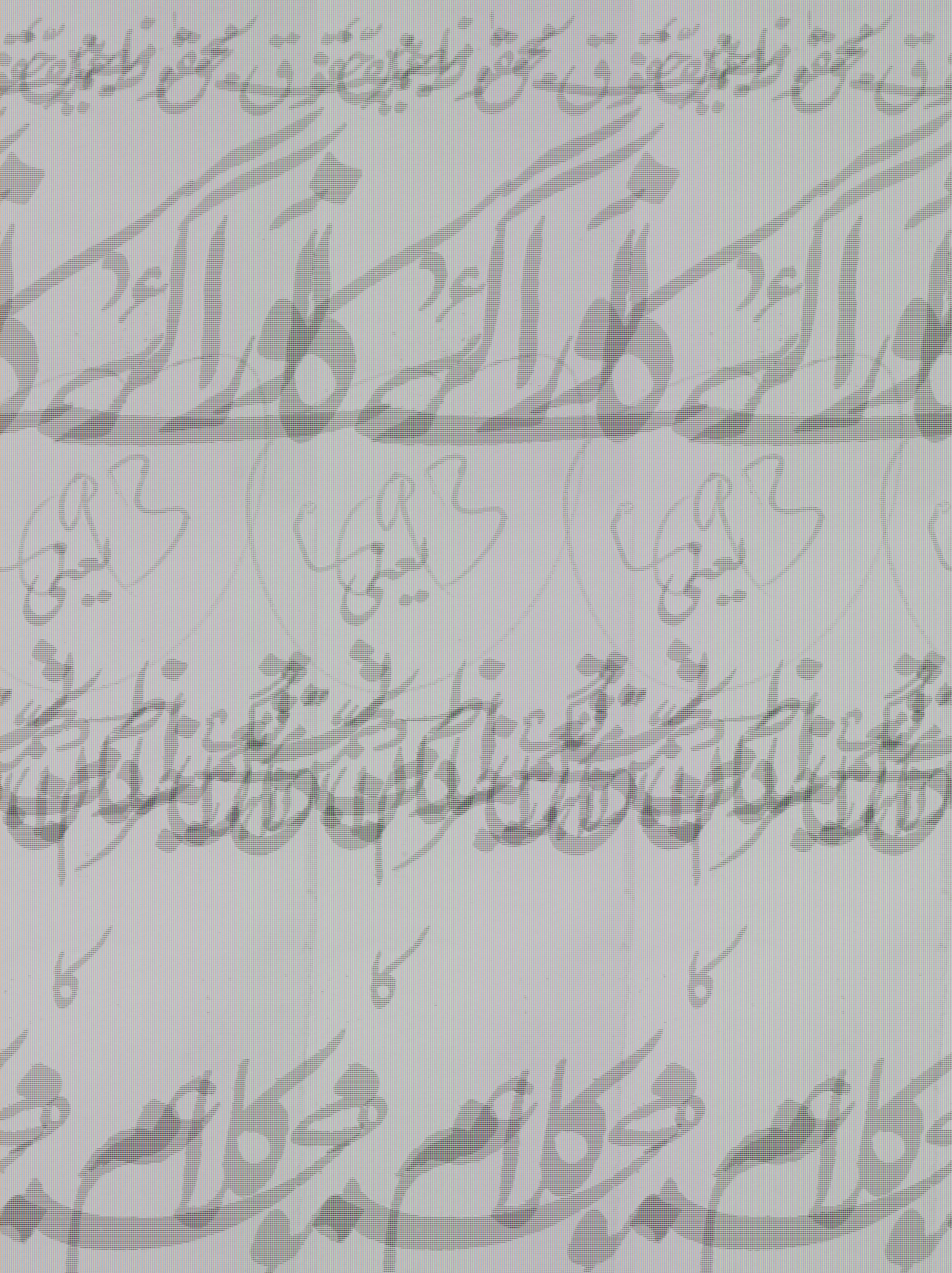
Cont by [illegible]

# نوائے کارگر

احسان دانش



عنوان



...نی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام بابو ضمیر احمد خان پرنٹر چھپی اور احسان دانش پبلشر نے مکتبۂ دانش مزنگ لاہور سے شائع کی

# انتباہ

کوئی فرد یا ادارہ نشر و انتخاب،
نقل و اقتباس اور ترجمہ و شرح کا مجاز نہیں

احسان دانش

# انتساب

شاعر کو اوّل اپنی شاعری عزیز ہوتی ہے دوم احباب کا
مخلصانہ روّیہ۔ اگرچہ یہ بھی میری افتادہ بسری کی بے نقابی ہے،
لیکن مجھے خلوص کا جواب اس کے سوا کچھ بن نہیں پڑتا کہ میں

اپنی اس محبوب تصنیف
## "نوائے کارگر"
کو
اردو ادب کے محسن جناب **اختر حسین صاحب** آئی سی ایس
کے نام سے معنون کر دوں

احسان دانش

# فہرس

## حسنِ خیال

# مناظر

## مصوّرانہ شاعری ۴۳ تا ۱۰۸

# قلب و نظر

## وہ حقیقتیں جنھیں شاعر کی نظر سے ہم آغوش دیکھا ہے

## ۱۰۹ تا ۲۰۴

# زبورِ محبّت

## جذباتی نظمیں ۲۰۵ تا ۲۵۸

# ہجومِ خیال

## متفرق نظمیں ۲۵۹ تا ۳۰۴

# لہریں

## ہندی گیت ۳۰۵ تا ۳۲۰

# ایوانِ تغزّل

## غزلیں

۳۲۱ تا ۳۶۰

# حسنِ خیال

# خداؔ

خدا کو پا نہیں سکتا خدا کی ذات کا منکر
نہ جب تک دل سے نقصِ ناتمامی دُور ہو جائے
خدا وہ ہے کہ جس کی عظمت و جبروت کے آگے
خود انساں سجدہ کرنے کے لئے مجبُور ہو جائے

# پیغمبرِ اسلامؐ

یہ تھا دنیا کا عالم عالمِ اسلام سے پہلے  
خدا کے نام سے واقف نہ تھے اس نام سے پہلے

سمجھتی ہی نہ تھی مخلوق رازِ زندگانی کو  
کوئی ساحل نہ ملتا تھا جہازِ زندگانی کو

نہ اطمینان مصری تھے نہ شامی تھے نہ یونانی  
جدھر دیکھو ستم کیشی جہاں دیکھو ستم رانی

کہاں تھی عارضِ یورپ پہ سُرخی بہاروں کی  
خزاں تھی مہتمم ہندوستاں کے جلوہ زاروں کی

سفینہ ڈوبنے والا تھا نیکی کا گناہوں میں  
بجائے علم و حکمت شیطنت تھی درسگاہوں میں

چراغِ روح بادِ گمرہی سے بُجھنے والا تھا  
بساطِ آب و گِل پر دھیما دھیما سا اُجالا تھا

وہ دن نزدیک تھا شمس و قمر بے نُور ہو جاتے  
صدف کے دل میں تابندہ گہر بے نُور ہو جاتے

شبابوں پر عرب کے بتکدوں میں بُت پرستی تھی  
جبیں حق آشنا سجدوں کی دولت کو ترستی تھی

تمدّن مضمحل، تہذیب مُردہ، عقل دیوانی
ارادے پست، جھوٹے قول، ٹھنڈی شمعِ ایمانی

صداقت سرنگوں تھی ظلم و استبداد کے آگے
کوئی چلتی نہ تھی ماں باپ کی اولاد کے آگے

تہی دستوں کو ٹھکرا کر رعونت مسکراتی تھی
شرارت نشّے میں تھی خود ستائی گل کھلاتی تھی

عوام النّاس میں دختر کُشی کی رسم جاری تھی
جفا کا دور دَورہ تھا ستم کی شہریاری تھی

بہادر پتھروں کے سامنے سر کو جھکاتے تھے
گرج سے کانپتے تھے بجلیوں سے خوف کھاتے تھے

کوئی تثلیث کا قائل کوئی آتش پرستی کا
کوئی کاہن کا، کوئی راہبانہ چیرہ دستی کا

کوئی نادان چوپاؤں کے آگے سر جھکاتا تھا
پُجاری بن کے اُن کی شکتیوں کے گیت گاتا تھا

کسی جا قہرمانی طاقتوں کی تھی پرستاری
دلوں میں دلنوازی تھی نہ روحوں میں حیاداری

حرم میں ہو رہی تھی بُت پرستی بے حجابانہ
بنا رکھا تھا بیت اللہ کو یکسر صنم خانہ

ہبل کا کوئی بندہ تھا صفا کا کوئی شیدائی
حضوری میں کوئی عزّیٰ کی کرتا تھا جبیں سائی

مناتی تھا کوئی اور نائلے پر کوئی دیوانہ
کوئی بدبخت لات و ہبل کی محفل کا پروانہ

کوئی کرتا تھا سجدہ کالے پیلے اژدہاؤں کو
سمجھتا تھا کوئی معبود جھوٹے دیوتاؤں کو

درندوں کی طرح بکھرے ہوئے چلتے تھے راہوں میں
لہو میں بجلیوں کی چشمکیں شعلے نگاہوں میں

دلوں سے رہزنی کی گھات کے رستے نکلتے تھے
دماغوں میں فجور و فسق کے ارمان پلتے تھے

سمجھتے تھے وہ بیواؤں کی چادر تک کو مال اپنا
مُسافر مار تھے اور اس کو گنتے تھے کمال اپنا

کنیزانِ حرم کو زینتِ آغوش کہتے تھے
نشے کی رَو میں لغزش کو کمالِ ہوش کہتے تھے

سمجھتے تھے مہذّب خود ستاؤں خود پسندوں کو
غرض یہ ہے خدا کی راہ ملتی تھی نہ بندوں کو

مگر حد سے بڑھا جب ظلم مزدوروں غلاموں پر
سزائیں برملا ملنے لگیں جب نیک کاموں پر

لبِ افلاس پر اک نالۂ محشر بدوش آیا
ہوئی مقبول محنت کی دعا رحمت کو جوش آیا

خدا خود ڈوبتے بیڑے پہ آیا ناخدائی کو
محمد مصطفےٰ پیدا ہوئے مشکل کشائی کو

سرِ بزمِ پریشاں رحمتہ اللعالمیں آئے
مہِ بُرجِ نبوت یعنی ختم المرسلیں آئے

صحیفوں میں تھی جسکی پیشگوئی وہ نبی آیا
پیامِ حق سُنانے خاتمِ پیغمبری آیا

بتایا صاف یہ مہرِ نبوت کی نشانی نے
خبر دی تھی اسی کی ہر کتابِ آسمانی نے

درخشاں تھی اسی کے نور سے آدم کی پیشانی
اسی کی شمع سے روشن تھا حسنِ ماہِ کنعانی
اسی کے شوق سے چشمِ کلیم اللہ روشن تھی
اسی کا ایک معمولی سا پرتو برقِ ایمن تھی

دلِ عیسیٰ میں اس کی آرزوئیں التجائیں تھیں
نظر کو حسرتِ دیدار تھی لب پر دعائیں تھیں

جبیں ایسی کہ جس کو لوحِ عرشِ کبریا کہئے
ضیائے رخ جسے ٹوٹے دلوں کا آسرا کہئے
نگاہیں وہ کہ جن سے دیدۂ مریم حیا سیکھے
اثر ایسا کہ حسنِ بے وفا رسمِ وفا سیکھے
تجمّل وہ کہ تابانی سکھائے چاند تاروں کو
تحمّل وہ کہ احساسِ سکوں ہو برق پاروں کو
جلال ایسا کہ جس سے قیصر و فغفور جھک جائیں
فلک کی نبض ڈوبے زلزلوں کے قلب رک جائیں
تکلّم اُف تکلّم! رازِ فطرت کھولنے والا
فسونِ سامری کے سر پہ چڑھ کر بولنے والا
وہ طرزِ گفتگو ہر بات سے اک بات پیدا ہے
بلاغت جس کی باندی ہے فصاحت جس کی شیدا ہے
لب ایسے جن پہ کوئی بات جھوٹی آ نہیں سکتی
دعا گر کوئی فرما دے تو خالی جا نہیں سکتی
فطانت وہ کہ جس سے مشعلِ ادراک ضو مانگے
ذہانت وہ کہ جس سے شمعِ بزمِ طور لو مانگے

زباں وہ جس پہ اگر قسمتِ تقریر کھل جائے خدا نے دی ہے جو الفاظ کو تاثیر کھل جائے

زمیں نے رنگ بدلا آسمانوں پر شباب آیا
کہ حصے میں خدائی کے خدا کا انتخاب آیا

لگے اسرار کھلنے رفتہ رفتہ قلبِ فطرت کے جہاں میں چار سو ڈنکے بجے مہرِ رسالت کے
گلوں نے نذر دی خوشبو کی غنچوں نے دہن کھولے نبوّت کی شہادت کیلئے پتھر تلک بولے
خزاں میں کروٹیں لینے لگے جلوے بہاروں کے دلِ شبنم میں عکس آنے لگے زرّیں ستاروں کے
علم اخلاق کے اُٹھے بساطِ شر پسندی سے ہوئے واقف درندے روح کی شیرازہ بندی سے
زمیں نے پھول اُگلے خاک نے ذرّوں کو چمکایا فلک نے کاسۂ شمس و قمر سے نور برسایا
شرف حاصل ہوا ایسا زمیں کی خستہ حالی کو کہ گردوں کی بلندی نے سراہا پائمالی کو
زمرّد سبزۂ بیگانہ بن کر جابجا پھوٹا بیاباں کے جگر سے چشمۂ زرّیں نوا پھوٹا
ہوا لانے لگی صحراؤں میں پیغامِ شادابی چلا ویرانیوں کی انجمن میں جامِ شادابی
ترنّم بن گئے بڑھ کر تبسّم آبشاروں کے جگر برفا دیئے قدرت نے تپتے کوہساروں کے

ہوئے نازل فرشتے رحمتوں کے آسمانوں سے
لبِ ناقوس سِل کر لگ گئیں مہریں اذانوں سے

نحیفوں کو سہارا مل گیا الطافِ باری کا
درِ افلاس پر سر جھک گیا سرمایہ داری کا

سرِ فاراں اٹھیں ظلمات میں نو خیز تنویریں
اُبھر آئیں گئے گذرے ہوئے ایماں کی تحریریں

ہوئیں یوں آئینِ شاداں بے اماں نے اماں پائی
سکونِ دل کو ملا اور جان نے تسکینِ جاں پائی

یتیموں کا معاون دستگیرِ بیکساں آیا
امینوں کا امیں راحت نوازِ دو جہاں آیا

ارادوں کو تواں بخشی بلندی دی خیالوں کو
طریقے زندگانی کے سکھائے مرنے والوں کو

وفا کے درس سے مانجھا دلوں کے آبگینوں کو
مثالی کر دیا بھٹکے ہوئے صحرا نشینوں کو

دیا حق نے پیامِ راحت و آرام بندوں کو
خودی نے خود مآل اپنا دکھایا خود پسندوں کو

بتوں کے دل ہوئے شق نعرۂ اللہ اکبر سے
صنم خانوں کی بنیادیں ہلیں صوتِ پیمبر سے

تڑپ اٹھی خموشی نعرۂ توحید لہرایا
چلی بادِ موافق، بحرِ رحمت جوش میں آیا

یہ کہتے سرکشانِ تند خو دربار میں آئے
"تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے"

غلاموں کو دیا اس شان سے پیغامِ آزادی
کہ گردش میں ہے تیرہ سو برس سے جامِ آزادی

کتاب اُس پہ وہ اتری ہے جسے قرآں کہتے ہیں
تمدّن کی تدبّر کی وفا کی جان کہتے ہیں

وہ قرآں جس کی ضَو سے بزمِ باطن میں اجالا ہے
وفا میں سربلندی حریّت کا بول بالا ہے

جہاں جب تک جہاں ہے عظمتِ قرآن باقی ہے
مکمّل یادگارِ سیّدِ ذیشان باقی ہے

جو ہے قرآں کا منکر اس کا ایماں ہو نہیں سکتا
غلامی کا جو حامی ہے مسلماں ہو نہیں سکتا

# مناظر

# صبحِ مسرّت

آثارِ سحر کے پیدا ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ چکا
ظلمت کے دستِ وحشت سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا
کُہرے کے دُھندلے پردوں سے خورشید نکلتا آتا ہے
ظلمت میں اُجالے کا دریا پہلو سے بدلتا آتا ہے
چوپاؤں کے پیچھے بستی سے گاتے ہوئے گلّہ بان چلے
محتاجِ مرمّت گھیروں[1] سے ہل بیل لئے دہقان چلے
سہلا کے گلوں کے رخسارے جب باغ سے جھونکے آتے ہیں
مخلوق کے روندے رستوں میں خوشبو کے علَم لہراتے ہیں

۱؎ وہ کچی چار دیواری جہاں کسان اپنے مویشی باندھتے ہیں گھیر کہلاتی ہے۔ احسان

جنبش ہے ہوا سے پتّوں میں پھولوں کو پسینے آئے ہیں
دریا کے لرزتے سینے پر کرنوں کے سفینے آئے ہیں

گردوں سے زمیں کے دامن پر تنویر اُترتی آتی ہے
آنکھوں میں شبابِ فطرت کی تصویر اُترتی آتی ہے

سبزے پہ نگاہیں دوڑا دیں انوار نے شبنم پینے کو
کیا بقعۂ نور بنایا ہے پامال زمیں کے سینے کو

شاخوں میں نکلتے سورج نے زربفت کی چلمن ڈالی ہے
جھومر ہے اُفق کے ماتھے پر ظُلمت سے بیاباں خالی ہے

سمٹے ہوئے ٹھنڈے ذرّوں پر خورشید نے دامن ڈال دیا
پھولوں کے لبوں کو جنبش دی کلیوں میں تبسّم ڈھال دیا

عالم کی زبانیں جاگ اُٹھیں الفاظ نے بازو کھول دیئے
تنظیمِ سکوتِ مطلق پر تقریر نے دھاوے بول دیئے

جھونکوں کی لچکتی کمروں پر کرنوں کے سنہری محمل ہیں
اب گُل تو گُل ہیں کانٹے بھی فردوسِ نظر میں داخل ہیں
جلوؤں کو اُٹھائے پلکوں پر مشرق کی طرف جب جاتا ہوں
احسانِ حسینِ تنویروں سے ہر گام پہ ٹھوکر کھاتا ہُوں،

# کیفِ شب

گھنے باغوں میں جب تاریکیوں کا جوش ہوتا ہے
لبِ جوئے رواں اک عالمِ خاموش ہوتا ہے
تڑپتی ہے نظر اُلجھی ہوئی تاروں کی کرنوں میں
سیہ خانہ جہاں کا آنکھ سے روپوش ہوتا ہے

# گرمی کی دوپہر

یہ دوپہر کا منظر یہ گرمیاں بلا کی — یہ آتشیں ہوائیں، یہ دھوپ انتہا کی
بادل کی شکل کو بھی عالم ترس رہا ہے — خورشید آگ بن کر سب پہ برس رہا ہے
اللہ کیا بلا ہے یہ جون کا مہینہ — بہتا ہے عارضوں پر کھولا ہوا پسینہ
دوزخ کا اک نمونہ سورج دکھا رہا ہے — ہر رونگٹا بدن کا آنسو بہا رہا ہے
سوئے ہوئے درندے گھبرا کے اٹھ رہے ہیں — میدان سے بگولے چکرا کے اٹھ رہے ہیں
صحرا کا ذرّہ ذرّہ بےچین ہو رہا ہے — برگد کی چھاؤں پا کر چرواہا سو رہا ہے
میلی سی ایک چادر تانے ہوئے پڑا ہے — بازو کا سر کے نیچے تکیہ لگا ہوا ہے
طائر پھڑک رہے ہیں تپتے نشیمنوں میں — ویرانیوں کا عالم چھایا ہے گلشنوں میں
پھولوں سے آنچ بن کر آہیں نکل رہی ہیں — پتّے سلگ رہے ہیں کلیاں پگھل رہی ہیں

لُو سرسرا رہی ہے سرسبز وادیوں میں
ماتم ہے نکہتوں کا گلزار زادیوں میں

صحرا کے سبز پودے تو نُسے ہوئے کھڑے ہیں
کانٹوں سے تیتلیوں کے بازو چھدے پڑے ہیں

شعلے برس رہے ہیں ہر سمت بستیوں میں
گویا اُتر رہا ہے خورشید بستیوں میں

ہے رنگِ بدحواسی ہر چہرۂ حسیں پر
ذرّے تڑپ رہے ہیں تپتی ہوئی زمیں پر

سُنسان سی پڑی ہیں جنگل کی شاہراہیں
دہکی ہوئی فضا میں بیتاب ہیں نگاہیں

گنجان جھاڑیوں میں لپٹیں رُکی ہوئی ہیں
سمٹے ہوئے ہیں تیتر شاخیں جھکی ہوئی ہیں

ہر موج میں ہے تیور بجلی کی ہمسری کا
گرداب پر گماں ہے خورشیدِ خاوری کا

سورج کی ہر کرن میں خنجر لچک رہے ہیں
ذرّوں کی انکھڑیوں میں شعلے دہک رہے ہیں

پگڈنڈیوں کے پودے لُو نے جلا دیئے ہیں
سورج کی تیزیوں نے چشمے سکھا دیئے ہیں

جامِ جہاں میں موسم تیزاب بھر رہا ہے
اک آتشیں سمندر سر سے گذر رہا ہے

آتشکدے کی ہر سو تصویر کھنچ رہی ہے
تدبیر کیا کریں ہم تقدیر کھنچ رہی ہے

# ایک ناتمام نظم

بھوپال سے دکن کو سفر کر رہا تھا مَیں
جنگل کی دلکشی پہ نظر کر رہا تھا مَیں

جب ریل ناگپور پہنچ کر کھڑی ہوئی
تھی دن کے در پہ شام کی چلمن پڑی ہوئی

گردوں سے رِس رہے تھے ملاحت کے آبشار
سائے سے کانپتے تھے نگاہوں میں بار بار

سانسیں اُکھڑ رہی تھیں شفق کے شباب کی
ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی چِتا آفتاب کی

جس طرح آگ دیتی ہے بجھتے ہوئے دُھواں
دودِ سیاہ نور کے مدفن سے تھا رواں،

(ناتمام)

# دو قبریں!

مولانا تاجور نجیب آبادی کے دو نوجوان لڑکوں کی بے وقت وفات پر

یہ شامِ گورِ غریباں یہ رات کا آغاز
فضا میں نرم دھند لکا ہے مائلِ پرواز
بچھی ہوئی ہے زمیں پر ردا اندھیرے کی
پہن رہی ہیں ضیائیں قبا اندھیرے کی
شفق کا رنگ غم انگیز، بیقرار ہوا
الم فروش، جنوں کوش، سوگوار ہوا
سڑک پہ ابر کی صورت غبار گلوّں کا
مچل رہا ہے چھتوں پر دُھواں محلّوں کا
خموشیوں میں پرافشاں صدا اذانوں کی
لگن غریب پرندوں کو آشیانوں کی
زمین گُنگ، فلک چُپ، فضائیں آزردہ
پرانے خستہ مزاروں کی جھاڑیاں مُردہ
مویشیوں کے کھُروں کے نشان راہوں میں
مآلِ ہستیٔ پُر آرزو نگاہوں میں

شفق ہے نزع میں پیڑوں کے سائے گہرے ہیں
نظر کی راہ میں تاریکیوں کے پہرے ہیں

خموش شمعیں ہیں ذرّوں کے روئے روشن کی
فسردہ گھاس میں لوحیں ہڈّیوں کے روغن کی

ہے سایہ خاک سے لپٹا ہوا ببولوں کا
سیاہ زنگ کٹیلی[1] کے زرد پھولوں کا

شرابِ نور سے خالی ہے آسماں کا ایاغ
کہیں کہیں نظر آتا ہے کوئی کوئی چراغ

ہیں محوِ خواب مزاروں میں صاحبانِ مزار
نہ جانے اور بھی کتنے ہیں بے نشانِ مزار

کسی کی قبر پہ ہے نصب مرمریں کتبہ
سیہ حروف کا اندوہ آفریں کتبہ

کسی کی قبر پہ پژمُردہ پھول روتے ہیں
کسی کی خاک سے کانٹے لپٹ کے سوتے ہیں

ہے کوئی نغمہ نواز اور کوئی شاعر ہے
کوئی ہے راہنما اور کوئی مسافر ہے

کوئی سخی، کوئی محتاج، پاسباں کوئی
امیرِ بحر کوئی، میرِ کارواں کوئی

کوئی گدا ہے کوئی بادشاہِ ہفت اقلیم
کوئی نیاز نشاں، کوئی واجب التعظیم

کوئی حسین اور ایسا حسین جس کا جمال
خدا کے دل میں بھی پیدا کرے خدا کا خیال

---

۱ ایک خاردار پودے کا نام ہے جو اکثر ویرانیوں میں اُگتا ہے۔

یہاں ہیں غیرتِ سہراب و سام خاک بسر — نہ جانے ٹھوکریں کھاتے ہیں کتنے کاسۂ سر

مگر یہ بزم ہے پابندِ فطرتِ خاموش
نہ اس میں نطق ہے ناطق نہ اس میں ہوش و گوش

غلام و خواجہ یہاں ایک صف میں شامل ہیں — یہاں کے ذرّوں میں آنکھیں ہیں خاک میں دل ہیں
گھٹا ہوا ہے یہاں دم سخن طرازی کا — چراغ گُل ہے حسینوں کی عشوہ سازی کا
یہاں ہیں فلسفیوں کی فراستیں عاری — یہاں کی گرد میں اُڑتا ہے زعمِ خودداری
یہاں غرور ندامت سے سر جھکاتا ہے — جنونِ عشق یہاں تھک کے بیٹھ جاتا ہے
یہاں کی دوب کے ریشوں میں رس ہے لاشوں کا — یہ اک ہجوم ہے سہمے ہوئے تماشوں کا
یہاں نہ ماؤں کو بچّوں کی یاد آتی ہے — نہ کمسنوں کو یہاں تیرگی ڈراتی ہے
یہاں سکوت ہے، بانگِ ہزار سے پیدا — یہ اک خزاں ہے جہاں کی بہار سے پیدا
ہیں تند و تیز بگولے یہاں کے ہرکارے — یہاں گھٹائیں بجاتی ہیں آ کے نقّارے
عروسِ صبح نکلتی ہے بے نقاب یہاں — نظر کا فرش بچھاتا ہے آفتاب یہاں

یہاں چراغ دکھاتا ہے چاند راتوں کو	یہاں کے لوگ ہی جانیں یہاں کی باتوں کو
عجب ہے خاک نشینوں کی سلطنت کا نظام	یہاں فقیر نہیں کرتے بادشاہ کو سلام

ہیں اشکِ تر مری آنکھوں میں کیا بہار رس پر
کھڑا ہوں دیر سے دو تازہ تر مزاروں پر

کہ تاجور کے جواں سال تاجدار ہیں یہ	خزاں نصیب جوانی کی یادگار ہیں یہ
یہ پھول اپنی لطافت کی داد پا نہ سکے	کھلے ضرور مگر کھل کے مسکرا نہ سکے
ہے سینہ چاک جدائی میں گلستاں ان کا	جگر کو تھام کے روتا ہے باغباں ان کا
کتابیں میز پہ جب ان کی دیکھ پاتی ہے	تو ماں الم کے سمندر میں ڈوب جاتی ہے
لباس ان کا ٹرنکوں سے جب نکلتا ہے	تو رنج و غم کا کلیجے پہ تیر چلتا ہے
قریبِ شام جو چھٹی کا وقت ہوتا ہے	غریب باپ جدائی میں خون روتا ہے
ہوا اکھڑتی ہے امید کے سفینے کی	مچلنے لگتی ہے سانسوں میں آنچ سینے کی
خموشیوں کو رلاتی ہیں ان کی تحریریں	نگاہ میں ہیں کفن پوشیوں کی تصویریں

مگر یہ سوئے ہیں ایسے کہ کچھ خبر ہی نہیں
خراب حال پہ ماں باپ کے نظر ہی نہیں

خموش، جیسے یہ ناراض ہو کے آئے ہیں / عدو سمجھ کے عزیزوں نے دل دکھائے ہیں
وہ باپ نام سے جو موت کے دہلتا تھا / ذرا سے ذکر پہ رُخ بات کا بدلتا تھا
نظر میں اس کی اب اچھّی ہے موت جینے سے / وہ دل شکستہ ہے دنیا کے ہر قرینے سے

اگرچہ اس کو خبر ہے کہ ہستیٔ فانی
نہیں ہے کچھ بھی بجز آفت و پریشانی

مسرّتوں کا نتیجہ ہے محوِ غم ہونا / غرض حیات سے ہے رہروِ عدم ہونا
طلوعِ صبح کی قسمت میں شام ہونا ہے / جو نام ہے اُسے محرومِ نام ہونا ہے
نشاط جاتی ہے تشویش بھر کے سینوں میں / نہاں ہیں اشک تبسّم کی آستینوں میں
چمن کی پشت پہ ویرانیوں کا مسکن ہے / مآلِ صدر نشینی کا کُنجِ مدفن ہے
ہر اک بہار کو مقصود ہے خزاں یابی / ہر ایک موج کے مقسوم میں ہے غرقابی

نمودِ موج بقا ہے بقا نہیں لیکن
فنا کا نام فنا ہے فنا نہیں لیکن

یہ مختصر سا خلاصہ ہے اس کہانی کا بھرا ہے موت نے بہروپ زندگانی کا
تعیّنات کی تو صبح میں اندھیرا ہے یہ تیرا میرا، نہ تیرا ہے اور نہ میرا ہے

یہ سب درست مگر پھر بھی قلبِ انسانی
ہجومِ رنج میں کرتا ہے اشک افشانی
رہے نہ صبر تو نالے چھلک ہی پڑتے ہیں
جگر کی چوٹ سے آنسو ٹپک ہی پڑتے ہیں

مگر یہ سوئے ہیں ایسے کہ کچھ خبر ہی نہیں
خراب حال پہ ماں باپ کے نظر ہی نہیں

خموش جیسے یہ ناراض ہو کے آئے ہیں عدو سمجھ کے عزیزوں نے دل دکھائے ہیں
وہ باپ نام سے جو موت کے دہلتا تھا ذرا سے ذکر پہ رُخ بات کا بدلتا تھا
نظر میں اس کی اب اچھّی ہے موت جینے سے وہ دل شکستہ ہے دنیا کے ہر قرینے سے

اگرچہ اس کو خبر ہے کہ ہستیٔ فانی
نہیں ہے کچھ بھی بجز آفت و پریشانی

مسرّتوں کا نتیجہ ہے محوِ غم ہونا غرض حیات سے ہے رہروِ عدم ہونا
طلوعِ صبح کی قسمت میں شام ہونا ہے جو نام ہے اُسے محرومِ نام ہونا ہے
نشاط جاتی ہے تشویش بھر کے سینوں میں نہاں ہیں اشک تبسّم کی آستینوں میں
چمن کی پشت پہ ویرانیوں کا مسکن ہے مآلِ صدر نشینی کا کُنجِ مدفن ہے
ہر اک بہار کو مقصود ہے خزاں یابی ہر ایک موج کے مقسوم میں ہے غرقابی

گھنے باغوں پہ سائے جب اُترتے ہیں گھٹاؤں سے
بیاباں گونجنے لگتا ہے موروں کی صداؤں سے
ہوا چلتی تو ہے لیکن نہیں ہے گرد جھونکوں میں
بخاراتِ زمیں اُٹھتے ہیں گرم و سرد جھونکوں میں
فلک نے خاک میں آ لا ئشوں کا بیج بو ڈالا
جھڑی نے ٹھیکروں کے سُرخ تعویذوں کو دھو ڈالا
چہوں[1] کے شور نے گونجا دیا لبریز جھیلوں کو
ترانے چومتے پھرتے ہیں گردوں کی فصیلوں کو
ہے رقصاں اس طرح اس منظرِ خوش پوش میں سایہ
کہ جیسے لوٹتا ہو دھوپ کی آغوش میں سایہ
ہے دم اُلٹا ہوا مزدور بیچارے کے سینے میں
یہ اک سوراخ ہے فطرت کے نازک تر سفینے میں

[1] چہا ایک چھوٹے سے پرندے کا نام ہے جو پانی کے قریب رہتا ہے۔

مرے آگے ہی نقشہ ہند کی تاریک بختی کا
یہاں پیغام لاتی ہیں گھٹائیں فاقہ مستی کا

# کرسمس

ہر شخص کرسمس میں ہے ایسا خوش و خرّم
جس طرح بہاروں میں گلستاں تر و تازہ
بازار میں ہے دھوم سے گلدستہ فروشی
ہے وقت کے چہرے پہ دمکتا ہوا غازہ
احسان کروں کیا مرے آنسو نہیں تھمتے
ہر شخص لئے جاتا ہے پھولوں کا جنازہ

# پژمردگی

بریلی میں ایک باغ کے قریب سے گذرتے ہوئے یہ سُن کر کہ جب سے اس کی فصل فروخت ہونے لگی ہے اس کی دلکشی جاتی رہی۔ احسان

نہ پُوچھ اے ہمنشیں جب بِک چُکی فصل
نہیں شاداب کیوں اس کی فضائیں
لچک پیدا ہو کیا شاخوں میں اس کی
چلیں کیا اس میں متوالی ہوائیں
بہاریں جن کی بِک جاتی ہوں ہر سال
وہ شرمندہ شجر کیا لہلہائیں

# افسونِ بہار

سکونِ مستقل کہاں گریزِ روزگار میں
صدائے اشتر "نو" کو سن صلائے نو بہار میں
اٹھا بھی جام ساقیا ہے کس کے انتظار میں!

ہجومِ برق و باد ہے جوانیاں لئے ہوئے
خرامِ ابرِ نرم رَو سکونِ جاں لئے ہوئے
مسرتوں کا جوش ہے صدائے آبشار میں

فضائے صحنِ باغ میں طیور کی ہیں ٹولیاں
گلوں کی رنگ رنگ سے مسک رہی ہیں چولیاں
بجا رہی ہے بنسری نسیم سبزہ زار میں

شگفتگی کے نخت ہیں ہوا کے نرم دوش پر
مچل رہی ہیں فطرتیں جوازِ نائو نوش پر
چھلک رہے ہیں میکدے ضمیرِ میگسار میں

جہانِ عقل و ہوش ہے سرودِ زارِ بیخودی
خودی کا ہر اُصول ہے نگاہدارِ بیخودی
کھنک رہی ہیں چھاگلیں ہوائے برفبار میں

بہار نے بکھیر دیں چمن میں عنبریں لٹیں
گھٹائیں آسمان پہ بدل رہی ہیں کروٹیں
نگاہِ کیف آشنا ہے گُم بہشت زار میں

وہ ظرفِ گُل ہے کون سا جو ساتگینِ زر نہیں
یہ حال مستیوں کا ہے کسی کو کچھ خبر نہیں
ہے لالہ زار وجد میں کہ وجد لالہ زار میں

اُبل پڑے ہیں زمزمے ربابِ برشگال سے
ہر ایک شے جواں ہوئی شبابِ برشگال سے
شمیمِ زلفِ حور ہے نسیمِ خوشگوار میں

جنونِ عشق میں ہیں غرق نو بہ نو جوانیاں
روش روش پہ چھڑ گئیں شباب کی کہانیاں
ہیں بیقرار جنّتیں نگاہِ بیقرار میں

ملاحتوں کے قافلے پڑے ہیں ہر چٹان پر
برس رہی ہیں مستیاں ہی مستیاں جہان پر
اُتر رہے ہیں زمزمے گھٹا سے آبشار میں

یہ زُہد کے طواف میں کرامتیں شراب کی
ہیں شاخچوں میں محوِ رقص دیویاں شباب کی
چھلک رہی ہے موجِ مے نگاہِ میگسار میں

تڑپ رہی ہیں جابجا سیاہیوں میں بجلیاں
دلوں کی دھڑکنیں نہ پوچھ الحفیظ والاماں
تبسّمِ شرار ہے تبسّمِ بہار میں
اُٹھا رہی ہے ہر کلی نگاہ سوئے آسماں
اُچٹ رہی ہیں تیتریوں سے تتلیوں پہ بوندیاں
نہا رہی ہیں بجلیاں اتر کے جوئبار میں
دُھواں سا اُٹھ رہا ہے ہر نشیبِ کوہسار سے
ڈھکی ہوئی ہیں چوٹیاں لبادۂ خمار سے
نہ اختیار دل پہ ہے نہ دل ہے اختیار میں

# نکاحِ ثانی

(ایک امیر خاندان کا چشم دید واقعہ)

ایک بیوہ بیوگی کی غم سے تنگ آئی ہوئی
کثرتِ آلام کی سختی سے گھبرائی ہوئی

آشکارا بے بسی اس کی جبینِ ناز سے
سوگ ظاہر درد میں ڈوبی ہوئی آواز سے

فرطِ رنج و غم سے قلبِ ناتواں تھامے ہوئے
مفلسی رہوارِ الفت کی عناں تھامے ہوئے

زندگی اور موت کے سنگم پہ جاں آئی ہوئی
دہر کی کج خلقیوں سے رُوح شرمائی ہوئی

آنکھ میں رنگِ حیا چہرے پہ آثارِ ملال
مُضمحل، برگشتہ قسمت ناتواں غم سے نڈھال

آسماں کو دشمنِ صبر و سکوں سمجھے ہوئے
خواہشائے عیش و راحت کو جنوں سمجھے ہوئے

ساتھ دو معصوم بچّے خستہ جان و دل فگار
جن کی معصومی کے چہرے پر یتیمی کا غبار

آ گئی میکے میں اپنا غم بھلانے کے لئے
بھائیوں بہنوں کو داغِ دل دکھانے کے لئے

کچھ دنوں تو گھر کا گھر خاموش بے چون و چرا
مذہب و تہذیب کے قانون پر چلتا رہا
یعنی اس کی ہر طرح غمخواریاں ہوتی رہیں
فرض کے پردے میں دنیاداریاں ہوتی رہیں

رفتہ رفتہ پھر مروّت میں کمی ہونے لگی
لُطف کے دامن سے پیدا دشمنی ہونے لگی

گفتگو پر قینچیاں چلنے لگیں تردید کی
بارشیں ہر بات پر ہونے لگیں تنقید کی
کوئی ساعت تھی نہ ایسی جس میں فہمائش نہ تھی
اُف بھرے کنبہ میں اس بیوہ کی گنجائش نہ تھی
بھاوجیں منحوس کہہ کہہ کر بلاتی تھیں اُسے
طعنہ ہائے تلخ سے پہروں رُلاتی تھیں اُسے
اس کا دل تھا پارہ پارہ اُس کی آنکھیں اشک ریز
ہر سہاگن اس کے سائے تک سے کرتی تھی گریز

بار تھا ہر اک کو یہ تصویرِ عبرت دیکھنا
بدشگونی تھا سحر کو اس کی صورت دیکھنا

بھاوجوں کے دل کا اکثر یوں نکلتا تھا غبار
اس کے معصوم بچے اس کے سامنے پڑتی تھی مار

گردشِ گردوں کے نرغے میں دلِ ناشاد تھا
اپنا بیگانہ ہر اک آمادۂ بیداد تھا

انگلیاں اٹھتی تھیں بچوں پر کہ بھوکے چور ہیں
کھا گئے یہ باپ کو کمبخت آدم خور ہیں

اس کی شرکت سخت بدفالی تھی شادی کیلئے
نامراد آئی تھی گویا نامُرادی کے لئے

گرچہ کہہ سکتی نہ تھیں کچھ کھُل کے اس کے روبرو
عورتوں میں اس طرح ہوتی تھی پہروں گفتگو

"پیر جی کہتے ہیں سچ اِس کا قدم منحوس ہے
جب سے یہ آئی ہے اس گھر کی فضا مایوس ہے

اس کے ایماں میں خلل ہے اس کی نیت میں فتور
یہ جہاں ہوگی وہاں ادبار آئے گا ضرور

بد نظر ایسی ہے جو بچہ اسے کچھ بھا گیا
پڑ گیا بیمار، ہنستا کھیلتا، کمھلا گیا

کون کہتا ہے نگاہوں میں نہیں ہوتا اثر
ٹکڑے کر دیتی ہے پتھر کو نِدیدوں کی نظر

ورنہ آخر بات کیا تھی کون سی افتاد تھی
وہ بھرا گھر کیوں اُجڑتا یہ جہاں آباد تھی"

الغرض قسمت نے کی وہ سخت گیری اختیار
بھائیوں کے دل سے بھی جاتا رہا اس کا وقار

بےوفائی بھائیوں کی خُو میں داخل ہو گئی
بدگمانی خون کے رشتے میں حائل ہو گئی

خادمائیں بھی اُسے کہنے لگیں سب بے تمیز
بن گئی ماماؤں کی ماما کنیزوں کی کنیز

گھر کے برتن مانجھتی تھی تو لئے دھوتی تھی وہ
کام میں رہتی تھی دن بھر رات بھر روتی تھی وہ

بھاوجوں نے بھائیوں کو ایسا برہم کر دیا
سب نے اس بیوہ بہن سے بولنا کم کر دیا

پھر بھی لیکن اس نے کچھ خدمت میں کوتاہی کی
اختیار اس کے کسی جذبے نے گمراہی نہ کی

ان کے بچوں پر وہ جان و دل فدا کرتی رہی
تھی وفا شیوہ وفا کا حق ادا کرتی رہی

آسمانِ کینہ پرور نے اسی پر بس نہ کی
آہ اس ظالم نے کچھ غمخوارئ بیکس نہ کی

مختصر یہ ہے کہ مل کر بھاوجوں نے کی صلاح
جس طرح ہو جلد اس کا کر دیا جائے نکاح

شادمانی میں گذارے یا مصیبت میں جئے
آنکھ سے اوجھل تو ہو جائے ہمیشہ کیلئے

ایک دن جب شام کے جلوے تھے مرجھائے ہوئے
تیرگی میں غرق تھے ذرّات تھرّائے ہوئے

وسعتِ گردوں پہ تھا رنگیں دُھواں چھایا ہُوا
ڈوبتے سورج کا تھا ہونٹوں پہ دَم آیا ہُوا

بھائی آئے اور بہن سے یوں ہوئے گرمِ کلام ہے تمہارے واسطے آج اک معزّز کا پیام
دیکھ کر موقع کو تیورِ وقت کے پہچان کر کر لیا اقرار ہم سب نے مناسب جان کر

بھائیوں کی جب سُنی اُس تیرہ قسمت نے یہ بات
ہونٹ دانتوں سے چبائے، رکھ لئے کانوں پہ ہات

رُوح گھبرائی پسینے سے جبیں تر ہو گئی ہونٹ تو لرزے مگر گفتار دُوبھر ہو گئی
ضبط کا دامن نہ اُس نے ہاتھ سے جانے دیا ایک بھی آنسو نہ دل سے آنکھ تک آنے دیا
صرف اتنا کہہ سکی ڈوبی ہوئی آواز سے بھائی کیوں تنگ آ گئے مجھ ہستیٔ ناساز سے
کم نہیں تھے بھاوجوں کے طعنہ ہائے دلخراش تم بھی اب کرنے لگے میرا کلیجہ پاش پاش
اچھا کپڑا اور نہ مجھ کو اچھا کھانا چاہیئے ان یتیموں کی یتیمی کو ٹھکانا چاہیئے
ہے حفاظت فرض ان بچّوں کی ننھّی جان کی یادگاریں ہیں یہ اک گذرے ہوئے انسان کی

بس یہ کب کہتی ہوں تم اپنی بہن جانو مجھے　　اپنے بچوں کی کنیزِ خاص گردانو مجھے
جب یہی قسمت ہے، پھر کیوں طالبِ توقیر ہوں　　آج سے یہ بھول جاؤں گی کہ میں ہمشیر ہوں
خون کا رشتہ نہ ظاہر ہو سکے گا زینہار　　کوئی پوچھے گی تو کہہ دوں گی کہ ہوں خدمتگزار

کہتے کہتے دل گھٹا آواز بھاری ہو گئی
جسم لرزا نیم بیہوشی سی طاری ہو گئی

جس میں گرد و پیش اک کیفیتِ بے نام و رنگ　　سرسراتا سا تجسس، ڈگمگاتی سی اُمنگ
بیخودی میں آنکھ جھپکاتے ہوئے رنج و الم　　خامشی میں کروٹیں لیتا ہوا طوفانِ غم
شورشیں گم، مجلسیں معدوم، منظر بے نشاں　　اک دھوئیں کی سی نمی میں اک ابر کا سا آسماں
چار سو رنگینیٔ قوسِ قزح اُڑتی ہوئی،　　بیٹھتی، اُٹھتی، پلٹتی، ٹوٹتی جڑتی ہوئی

اور اس عالم میں دیکھا اُس نے یہ اک خواب سا
جیسے پا کر زندگی مرحوم شوہر آگیا

ہاتھ میں بچوں کی خاطر کچھ کھلونے خوشنما　　پپڑیاں ہونٹوں پہ چہرہ فکر میں ڈوبا ہوا

آنسوؤں سے تر بتر پلکیں نگاہیں خاک پر
اک تقدّس کی فضا اس منظرِ غمناک پر

سر سے لے کر پاؤں تک اُجلا کفن آیا ہُوا
سانس کی موجوں میں اندازِ سخن آیا ہُوا

دیکھ کر شوہر کو وہ بے اختیارانہ اٹھی
اور قدموں سے لپٹ کر رو کے یوں کہنے لگی

رحم کھاؤ رحم! پیارے رحم کے قابل ہوں میں
غم کی ماری ہوں نگاہِ لطف کی سائل ہوں میں

تم تو میری خامشی کا غم بھی سہہ سکتے نہ تھے
اپنے بچّوں سے جُدا دم بھر کو رہ سکتے نہ تھے!

ہو گئے یوں سخت دل آخر تمھیں کیا ہو گیا
کیا اسی کا نام ہے پابندیٔ رسمِ وفا؟

اُف یہ بچّے! یہ مری رعنائیوں کی یادگار
جن کا غم ہر وقت رکھتا ہی مجھے زار و نزار

جب مچلتے ہیں کسی صورت بہلتے ہی نہیں
ضد پہ جب آتے ہیں سمجھانے سے ٹلتے ہی نہیں

ماموؤں کو دیکھتے ہیں مجھ پہ جب گرمِ ستیز
فرطِ غم سے ان کی ہو جاتی ہیں پلکیں اشک ریز

کہتے ہیں گر روز یہ یونہی تمھیں دھمکائیں گے
کر کے ابّا سے شکایت ہم انھیں پٹوائیں گے

روکے پھر مجھ سے لپٹ جاتے ہیں یہ دیوانہ وار
بھرنے لگتی ہے محبّت سسکیاں بے اختیار

کوئی لیتا ہی نہیں قسمت کے ماروں کی خبر
مشکلیں سی مشکلیں ہیں الاماں والحذر

قبر کی سی خامشی ہے حسرتوں کی شام پر
مر مٹی ہوں گرچہ زندہ ہوں تمہارے نام پر"

اپنی بتیا کی کہانی اپنے غم کی روئیداد
ختم بھی کرنے نہ پائی تھی ابھی وہ نامراد

یک بیک وہ سائے کا وہ سماں گم ہوگیا
وہ زمیں گم ہوگئی، وہ آسماں گم ہوگیا

رہ گئی تنہا یہ فریاد وفغاں کرتی ہوئی
شکوۂ بے مہریٔ بزمِ جہاں کرتی ہوئی

اس طرح ہرگز تمہیں دل توڑ کر جانا نہ تھا
کمسنوں کو بے بسی میں چھوڑ کر جانا نہ تھا

ہیں ہلاکِ غم، یہ زندانِ یتیمی کے اسیر
آہ بے منزل ہے میرا کاروانِ بے امیر

آئی اتنے میں سرہانے سے یہ بھاوج کی صدا
ڈھونگ دیکھا؟ مکر کو سمجھا؟ فسانہ سن لیا؟

جس کی یوں گذرے زمانے سے اُسے کیا واسطہ؟ ناز شوہر کے اُٹھانے سے اُسے کیا واسطہ؟

بھائیوں نے یک زباں ہو کر کیا اس سے خطاب
”دوسرے گھر کے لئے تیّار ہو جاؤ شتاب
اب اجازت کیلئے ہرگز نہیں آئے ہیں ہم
ضابطہ کی اطلاعِ آخری لائے ہیں ہم“

سُن کے اس قسمت کی ماری کو ہوا بیحد ملال مل گئے جب غصّہ و غم ہو گئیں آنکھیں لال
اور ہوئی تپتے ہوئے لہجے میں یوں گرمِ کلام ”میری خودداری نہ ہوگی جبر سے ہرگز غلام
میری غیرت اس تحکّم کو اُٹھا سکتی نہیں! میں نظر میں دوسرے شوہر کو لا سکتی نہیں
میرا ایماں اپنی تابانی کو کھو سکتا نہیں کوئی طوفاں میری کشتی کو ڈبو سکتا نہیں
ہاں میں بارِ دوش ہوں اس خانداں کے واسطے خانداں ہی کیا، زمین و آسماں کے واسطے
لیجئے دولتکدہ خالی کئے جاتی ہوں میں ساتھ اپنے دل کے ٹکڑوں کو لئے جاتی ہوں میں
کوئی تو گمنام گوشہ مل ہی جائیگا مجھے میرا مرقد اپنے دامن میں چھپائے گا مجھے

بھاوجوں کو ہوں مبارک کامرانی کے مزے دے خدا تم کو حیاتِ جاودانی کے مزے

ہاتھ خالی ہوں میں جز نامِ خدا کچھ بھی نہیں
میرے دامن میں دعاؤں کے سوا کچھ بھی نہیں"

# تبدیلی

میری نظر میں اب نہیں گلشن پسندیاں
دردِ حیات خوبیٔ تقدیر ہو گیا
ہر غمزدہ ہے میری نگاہوں میں باریاب
دل میرا اہلِ درد کی جاگیر ہو گیا

# شبِ سیاہ

بلند و پست پر اک ظلمتِ اندوہ طاری ہے
دیارِ نور میں تاریکیوں کی شہر یاری ہے
ہوئی ہے سرد خورشیدِ فلک کی گرم بازاری
گریبانِ جہاں پر بڑھ چلا دستِ سیہ کاری
ہیں مثلِ اژدہا کھیتوں میں لہرائے ہوئے رستے
بیابانوں کی ہیبت پیچ و خم کھائے ہوئے رستے
اندھیرا بڑھ رہا ہے بزمِ فطرت سوتی جاتی ہے
سیاہی دشتِ وحشتناک میں پرچم اُڑاتی ہے

صدائے بُوم ہے گونجی ہوئی گنجان جنگل میں
کہیں رُوحِ حزیں گم ہو نہ جائے غم کے بادل میں
جُھکا دیں خوف سے پیشانیاں پھولوں نے خاروں پر
ہے ظلمت پوش سنّاٹوں کا پہرا جوئباروں پر
شبستانوں میں محوِ خواب ہیں عشرت کے دیوانے
شب آئی ہے مآلِ زندگی دُنیا کو سمجھانے

## جوہرِ اندیشہ

ہر شخص کی غرض ہے غرض کا ہر ایک شخص
کوئی نہیں جو ذمّۂ جرم و گناہ لے!
وہ دیکھ آرہے ہیں بھنور گھورتے ہوئے
اب ناخدا کو چھوڑ، خدا کی پناہ لے!

# خوابِ زندگانی

یہ رنگین بدلیاں جو تیرتی ہیں آسمانوں پر
یہ دلکش گیت جو لہرا رہے ہیں بوستانوں پر

غروبِ مہر سے یہ زر فشاں جلوؤں کی ارزانی
یہ گہری ندیوں میں ٹھوکریں کھاتا ہوا پانی

یہ رنگینی جو پھولوں کی رگوں میں مسکراتی ہے
یہ ہریاول جو کمسن کھیتیوں میں لہلہاتی ہے

درختوں کی یہ ہلکی تیرگی میں ہانپتے جنگل
یہ سرخی سے سیاہی کا تصادم کانپتے جنگل

یہ رعنائی جو منڈلاتی ہے جاں پرور بہاروں پر
یہ زیبائی برستی ہے جو گلشن کے نظاروں پر

یہ سازِ شام پر دھیمے ترنم جوئباروں کے
یہ خواب آلود آڑے ترچھے سائے دیوداروں کے

یہ بوچھاڑیں ہواؤں کی یہ چھینٹے آبشاروں کے
یہ خم کھاتے ہوئے ڈھلوان رستے کوہساروں کے

یہ چرواہوں کی دل انگیز تانیں نرم فطرت میں
یہ نزہت اور یہ حسنِ لطافت نور و نکہت میں

یہ عنابی فضاؤں میں ابابیلوں کی پروازیں
یہ ساون کی گھٹا کو دیکھکر موروں کی آوازیں
جدھر دیکھو نظر آتا ہے اک طوفانِ شادابی
مگر مجھکو تو اس سے اور بھی ہوتی ہے بیتابی

سمجھتا ہوں یہ منظر جاودانی ہو نہیں سکتا
یہ خوابِ زندگانی، زندگانی ہو نہیں سکتا

# ضبط

رازِ پنہاں کو آشکار نہ کر!
یوں محبّت کی آن جاتی ہے!
وہ کلی پھر کلی نہیں رہتی
جو ذرا کھل کے مسکراتی ہے!

# سادھو کی چِتا

ہمنشیں کشمیر سے لاہور کو آتے ہوئے
اک سماں دیکھا جگر پر نیشِ غم کھاتے ہوئے
گر چکا تھا طاقِ مغرب سے چراغِ آفتاب
بند تھی جُزدانِ تاریکی میں فطرت کی کتاب
ظلمتیں گردوں کی کالی جھیل سے چھلکی ہوئیں
جھکڑوں سے ٹہنیوں کی گردنیں ڈھلکی ہوئیں
لحظہ لحظہ تیرہ تر ہوتی فضائے سُرمگیں
سنگ پاروں پر اُچٹتی بوندیاں، گیلی زمیں،

ابر کے دامن میں کوندے کی لپک چشموں کا شور
ہلکی ہلکی بوندیوں کا سلسلہ جھونکوں کا زور
دُور وادی میں کہیں مدّھم سا دہقانوں کا غُل
تیز نالے پر گذرنے کے لئے لکڑی کا پُل!
پُل کی اک دیوار کے نیچے قریبِ رہگذر
ایک سادھو کی چِتا تصویرِ انجامِ بشر
بُوندیوں میں آگ کا پرتو چٹانوں پر جھلک
مست بادل کی گرج سے کوہساروں میں دھمک
آگ کے خونخوار جبڑوں سے دُھواں اُٹھتا ہوا
پیچ و خم کھا کر زمیں سے آسماں اُٹھتا ہُوا!
ہر طرف بھیگے ہوئے پیڑوں کے پتّے سوگوار
خوف سے ٹھنڈی ہوا کو ہلکا ہلکا سا بُخار

کھولتا سینہ، سُلگتی کھوپڑی، پکتا بدن
بڑبڑاتی آگ، جھلّاتی لپیٹ، جلتا کفن
ٹوٹتی نبضیں، چٹختی ہڈّیاں، اُڑتے شرار
لوتھڑوں کی سنسناہٹ، سُرخ شعلوں کی ڈکار
ہونکتے جھونکوں کے آگے تھونکتی چنگاریاں
بولتے شعلوں کی لہراتی ہوئی نیلی زباں
ہر طرف لہرا رہا تھا بے ثباتی کا علم
موت کی دیوی کے خونیں قہقہوں کا زیر و بم
میرے قصرِ زندگی میں زلزلہ سا آ گیا
رُوح کے آئینہ خانہ پر دھندلکا چھا گیا
بزمِ عشرت اُٹھ گئی طنبورِ غم بجنے لگا
ضربِ تشویش سے سازِ الم بجنے لگا

# دیوالی کے دوسرے دن

سرد ہے جلوہ زارِ دیوالی، شہر رنگینیوں سے ہے خالی
اب وہ خندہ کہاں ہے آنکھوں میں بیوگی کا سماں ہے آنکھوں میں
بام و در پر ہے رنگِ حیرانی سوگئی شب کی جلوہ سامانی
ٹوٹے پھوٹے دیئے ہیں راہوں میں سوگواری سی ہے نگاہوں میں
گم ہیں سب سیم و زر کی جھنکاریں غم میں ڈوبی ہوئی ہیں دیواریں
ایسے بے رنگ و نور ہیں بازار جیسے پردیس میں کوئی نادار
ہیں پتنگوں کے پر چراغوں میں سنسناہٹ سی ہے دماغوں میں
ہیں دریچوں پہ تیل کی چھینٹیں موم سے داغدار ہیں اینٹیں

عبرت اُٹھی، آرزو بیٹھی، تمنّا سو گئی
یاس نے انگڑائی لی، اُمیّد زخمی ہو گئی

رات بھر میرے دلِ محزوں کو بیتابی رہی
خواب پر غالب پریشانی سے بے خوابی رہی
اب بھی وہ منظر کبھی جب یاد آتا ہے مجھے
زندگی میں موت کا نقشہ دکھاتا ہے مجھے

## اوچھی تجارت

وفاداری کی گنجائش نہیں اوچھی تجارت میں
یقیں کیجے یہ جگ بیتی نہیں ہے آپ بیتی ہے
بڑی تحقیق سے ثابت ہے یہ سوداگری اکثر
حقوقِ دوستی کھاتی ہے، خونِ دوست پیتی ہے

ٹکڑے ٹکڑے ہے تاشِ زرینوں میں بیدلی سی ہے مہ جبینوں میں
نیم شب کے بجھے ہوئے قندیل
کر رہے ہیں مآل کی تکمیل
اب ہے موجِ صبا کا عالم ہے گویا فطرت کی نبض مدّھم ہے
ہے نظر میں وہ منظرِ بیمار جیسے گلشن سے جا چکی ہو بہار
رُک رہا ہے قدم نگاہوں کا ہے یہ انجام جلوہ گاہوں کا
طُرفہ قانونِ بزمِ ہستی ہے
ہر بلندی کے ساتھ پستی ہے

# نوعروس بیوہ

(ایک چشم دید محشر)

مرا اک مہرباں سُبحان[1] جس کا نامِ نامی تھا
بڑا ہی دیدہ ور تھا صاحبِ دل تھا گرامی تھا
ہر اک انسان کے ہمراہ اپنی اپنی قسمت ہے
مخالف لاکھ ہو دُنیا محبّت پھر محبت ہے
نہ ہو کوئی اگر غمخوار ثابت ہو نہیں سکتا
محبّت کا عمل بیکار ثابت ہو نہیں سکتا
محبّت تھی اُسے بچپن سے جس تنویر پیکر سے
اُسی سے ہوگئی تھی اُس کی شادی بھی مقدر سے

[1] سبحان علی میرا ایک دوست جو شادی کی پہلی رات کو راہی عدم ہوگیا۔ احسان

بہت کوشش سے گتھی غم کی سلجھائی تھی دونوں نے
بڑی مشکل سے گویا زندگی پائی تھی دونوں نے
ہوئی تھی آج تک شادی نہ کوئی اس کے پلّے کی
مہینوں گم رہی نغموں میں خاموشی محلّے کی
زمیں پر تھا چراغاں سے بہشتوں کا سماں پیدا
فضاؤں میں تھی آتش بازیوں سے کہکشاں پیدا
نفیری جب یہ خاموشیوں کو گدگداتی تھی
تو اک بیرنگ بجلی سی فضا میں تیر جاتی تھی
تھیں لپٹیں عطر کی دوشِ ہوا پر رہگذاروں میں
معطّر ہوں فضائیں جیسے البیلی بہاروں میں
زر و گوہر لٹے دامن بھرے نغمہ طرازوں نے
ہوئے رقّاص خوش، انعام پائے نئے نوازوں نے

ہوائے شوق نے جود و سخا کا ابر برسایا
پہنچنا تھا جنہیں حق مُنہ سے جو مانگا وہی پایا
شہانہ شان سے زرکار فلینس میں دُلھن آئی
عروسِ نو کی چادر اوڑھ کر روحِ چمن آئی

مگر تقدیر سے تدبیر بازی لے نہیں سکتی
کسی انساں کو اپنا راز فطرت دے نہیں سکتی

ملے پہلے پہل جب شب کو یہ الفت کی دیوانے
چھلک نکلے مئے دیدار سے آنکھوں کے پیمانے
نظر ملتے ہی دونوں بن گئے حیرت کی تصویریں
سحر لائی دکھانے زرفشاں خوابوں کی تعبیریں
پسینہ موت کا آیا وفورِ شادمانی سے
حقوقِ زندگی چھینے قضا نے نوجوانی سے

ستاروں کی فلک پر جگمگاتی انجمن ٹوٹی
ادھر دولھا کا دم نکلا ادھر پہلی کرن پھوٹی
شکن بستر میں دل کی آرزو لانے نہ پائی تھی
نسیمِ خواب بیداری میں لہرانے نہ پائی تھی

مچا کہرام ہلچل پڑ گئی سینے دھڑک اُٹھے
دلوں میں آتشِ اندوہ کے شعلے بھڑک اُٹھے
ہوا محشر سا برپا سینہ کوبی کی صداؤں سے
لگے اُڑنے فغان و آہ کے دامن ہواؤں سے

جو سُنتا تھا کہ "دولھا مر گیا" دل تھام لیتا تھا
تحیّر آنکھ سے نوکِ زباں کا کام لیتا تھا
وظیفہ کی طرح ماں کے لبوں پر نام جاری تھا
الم سے باپ پر اک عالمِ وحشت سا طاری تھا

تھا لرزہ جسم میں، ہر گام پر غش آیا جاتا تھا
نظر میں کُہر کی صورت اندھیرا چھایا جاتا تھا

بڑھی دھڑکن خیالاتِ حزیں یوں پے بہ پے آئے
کہ جیسے جھیل میں مُرغابیوں کے گھومتے سائے

دمادم ہو رہی تھی موت اور ہستی میں نزدیکی
کہ جیسے چاند چھپنے سے بڑھے جنگل میں تاریکی

عروسِ نو کا سینہ بیوگی سے پارہ پارہ تھا
نہ کُھل کر رو ہی سکتی تھی نہ ضبطِ غم کا یارا تھا

قیامت ہے قیامت کارزارِ زندگانی میں
کسی دُولھا کا پہلی رات مر جانا جوانی میں

در و دیوار تھراتے ہوئے معلوم ہوتے تھے
زمین و چرخ چکراتے ہوئے معلوم ہوتے تھے

ہجومِ بیکراں تھا کرب سے جاں کھونے والوں کا
وہ مُنہ تکتی تھی دیوانوں کی صورت رونے والوں کا
وہ شرمندہ تھی ماتمیوں کے اندازِ حقارت سے
کلی جیسے کوئی مرجھائے سورج کی تمازت سے
ٹپکتے تھے پریرُوئی سے اندازِ پریشانی
لبوں پر پیڑیاں، چہرے پہ زردی خشک پیشانی
گرہ سی سانس میں پڑتی تھی جی گھبرایا جاتا تھا
کسک نس نس رگ میں تھی مُنہ کو کلیجہ آیا جاتا تھا
الم نے روند ڈالا تھا غرورِ کامرانی کو
بہاریں جارہی تھیں چھوڑ کر بیکس جوانی کو
بشاشت کا چمن مایوسیوں نے پھونک ڈالا تھا
چراغِ زندگی بادِ الم سے بُجھنے والا تھا

تمنّاؤں کی کلیاں بے بسی نے نوچ ڈالی تھیں
اُمیدیں اب مسلسل ہچکیوں میں ڈھلنے والی تھیں
حیا سے رہ گئے تھے اشک یوں لہرا کے آنکھوں میں
گماں ہوتا تھا موتی جم گئے ہیں آ کے آنکھوں میں
وفورِ غم سے مٹتی حسرتیں یوں سامنے آئیں
کسی دیوار پر جیسے دھوئیں کی زرد پرچھائیں
وہ روتے دیکھتی تھی سب کو لیکن رو نہ سکتی تھی
حیا سے ماتمِ شوہر میں شامل ہو نہ سکتی تھی
محلّے کی چھتوں پر دُور تک اک حشرِ ماتم تھا
اثر سے ماں کے ہر معصوم بچّہ چشم پُر نم تھا
سحر دُہرا رہی تھی رات کی خونیں کہانی کو
لباسِ نوعروسی رو رہا تھا نوجوانی کو

وہی کمرہ کہ جس کی شام تھی راحت اثر اس کو
اسی کمرے میں جاتے موت آتی تھی نظر اس کو
یہ نَو آموز تھی مغمُوم ہونا بھی نہ آتا تھا
سلیقے سے جواں شوہر کو رونا بھی نہ آتا تھا
وہ دل ہی دل میں کہتی تھی "الٰہی اب کہاں جاؤں
مٹادی تو نے میری بادشاہی اب کہاں جاؤں
یہ مانا میری امّی مجھ کو سینے سے لگا لیگی
تسلّی دیکے میرے ڈوبتے دل کو سنبھالیگی
مگر جو مُجھ پہ گذری ہے وہاں کیونکر سُناؤں گی
جواں ہمجولیوں میں ہائے کیا مُنہ لیکے جاؤں گی
مصیبت ہے مصیبت میں اگر میکے میں جا بیٹھی
مجھے گا شور ڈائن کھا کے شوہر ماں کے آ بیٹھی

مری ہر ایک ساتھن مجھ کو نامانوس سمجھے گی
سُہاگن ہو کہ دوشیزہ مجھے منحوس سمجھے گی
مجھے اب کون بلوانے لگا تقریبِ شادی میں
کوئی ہوتا نہیں ہرگز کسی کا نامرادی میں"

پھر اک نقشہ نظر کے پردۂ خاموش پر نکلا
جواں تابوت فریاد وفغاں کے دوش پر نکلا
ہے انساں آخر انساں یک بیک مہرِ زباں ٹوٹی
نظامِ ضبطِ غم بگڑا خموشی سے فغاں پھوٹی

وہ چلّائی "ارے میں لُٹ گئی اے دیکھنے والو!
مری دُنیا کو مت برباد یوں کیجے غار میں ڈالو!
ارے پیماں شکن عہدِ وفا بھی یاد ہے تجھکو
جو ہم دونوں میں ضامن تھا خدا بھی یاد ہے تجھکو

رفیقِ زندگی سے اس طرح مُنہ موڑ کر جانا
وفا و مہر کا نَو بستہ رشتہ توڑ کر جانا
تجھے کس واسطے چُپ لگ گئی کیوں بند ہیں آنکھیں
عدم کا خواب اور تو کیسی غفلت مند ہیں آنکھیں
خدا کے واسطے اُٹھ دیکھ میری سوگواری کو
خزاں کی گود میں دم توڑتی فصلِ بہاری کو
مری عشرت کا مُنہ غم کی طرف مت موڑ جانے دے!
تڑپنے کیلئے مُجھکو نہ تنہا چھوڑ جانے دے!
مرے شکوے ترے سازِ سماعت کو نہ چھیڑیں گے!
مرے آنسو ترے جذبِ ندامت کو نہ چھیڑیں گے!
لبوں کو آشنا ہونے نہ دونگی سرد آہوں سے!
کروں گی تیرا استقبال ہیں ہنستی نگاہوں سے!

لُٹے ظُلمت کے خیمے دیکھ زرّیں انقلاب آیا
اُفق پر نُور کا پرچم سنبھالے آفتاب آیا
مگر میرے سیہ خانے کی شب رنگی نہیں جاتی
مقدّر اور گردوں کی ہم آہنگی نہیں جاتی

سحر داما نیوں کی ضَو کہاں بیمار راتوں میں
فسوں سامانیاں باقی کہاں بے کیف باتوں میں
ہجومِ یاس میں لرزا رہے ہیں بام و در مجھ کو
مُنڈیروں پر سیہ عفریت آتے ہیں نظر مجھ کو

یہ مجھ سے بے رُخی کیسی؟ تجھے آخر ہوا کیا ہے؟
مرا جُرم آہ اک جُرمِ محبّت کے سوا کیا ہے؟
سزا آخر مجھے یہ مل رہی ہے کن گناہوں کی
کہ ہر معجِ نفس کے ساتھ اک دُنیا ہے آہوں کی

میں سمجھی تھی کہ ہے مفہومِ شادی شاد ہو جانا
یہ کیا معلوم تھا قسمت میں ہے برباد ہو جانا

یہ موسم ہے دیارِ چشم و دل کے جگمگانے کا
مرے خورشید یہ موقع نہیں ہے ڈوب جانے کا

دماغ و دل بھی یارب کیوں نہیں برباد کر دیتا؟
بہر عنواں مجھکو کیوں نہیں ناشاد کر دیتا؟

تصوّر میں وہ شب کا منظرِ شاداب ہے اب تک
انھیں خوابوں سے موذی حافظہ بیخواب ہے اب تک

تو قادر ہے تو احساسِ دلِ غمناک بھی کھو دے!
مرے اس غم ابِ ریّں کی طرح ادراک بھی کھو دے!

نہ نالے میرے ساتھی ہیں نہ آہیں میری ساتھی ہیں!
ستانے کیلئے لیکن نگاہیں میری ساتھی ہیں!

یہ ظالم آہ یہ سفّاک بینائی نہیں جاتی
دُہائی ہے دُہائی تاب اب لائی نہیں جاتی
مرا احساس اس محشر سے رُخ پھرنے نہیں دیتا!
مجھے اس درد کی معراج سے گرنے نہیں دیتا!
مرے ماضی یہ دردانگیز مُستقبل نہ دے مُجھکو!
یہ سوزِ جاوداں کی راہِ بے منزل نہ دے مُجھکو!
غرض یہ حال تھا ہر سانس اک برچھی تھی سینے میں
بڑا بال آگیا تھا زندگی کے آبگینے میں
جو دیکھا ہے وہ اب الفاظ میں لایا نہیں جاتا
یہ قصّہ ہو بہو احسانؔ دُہرایا نہیں جاتا

# توی[1] کے ساحل پر

(ریاست جموں (کشمیر) میں ایک شام)

عجب انداز سے زُلفِ عروسِ شام لہرائی
چمن زاروں نے چُپ سادھی بیابانوں کو نیند آئی

شفق کا سُرخ آنچل ہے پھریرا شادمانی کا
فلک سے مینھ برستا ہے شرابِ ارغوانی کا

فضا میں زمزمہ اُڑتا ہے چشموں کی روانی کا
سُنہری وادیاں نقشہ ہیں جنّت کی جوانی کا

مرقّع ہے وہ جس کو دیکھ کر حیران ہو مانی
صباحت زار میں کھوئی ہوئی ہے عقلِ انسانی

[1] توی ایک دریا ہے جو جموں کی آبادی کے آغوش میں بہتا ہے۔

دھندلکا کروٹیں لے لے کے اُٹھا رہگذاروں سے
عبودیت کے جذبے پھوٹ نکلے شاخساروں سے
اشارے ہو رہے ہیں وحشتوں کو لالہ زاروں سے
صدا دیتی ہے موسیقی کی دیوی جوئباروں سے
رو پہلے برف زاروں کی ہوا جس وقت چلتی ہے
دلِ شاعر کی دُنیا خود بخود کروٹ بدلتی ہے

نظر آتے ہیں جگنو اس طرح شب کی رداؤں میں
ستارے جس طرح انگڑائی لیتے ہوں ہواؤں میں
کمانیں نُور کی ہر سو لچکتی ہیں فضاؤں میں
ترانے ہنس رہے ہیں آبشاروں کی صداؤں میں
تصوّر میں ہے اُن کے عارضِ پُرنُور کا نقشا
شبابِ حوُر کا نقشا، چراغِ طوُر کا نقشا

توی کے موڑ پر یہ جلوۂ بیتاب کا عالم
یہ موجوں کا تماشہ اور یہ گرداب کا عالم
یہ فرشِ آب و رقصِ انجم و مہتاب کا عالم
درخشندہ بہشتوں کے مقدس خواب کا عالم

چراغانِ فلک کی ضو فشانی ہے بہاروں پر
نگاہیں رقص کرتی ہیں تڑپتے برق پاروں پر

یہ سنّاٹا یہ جنگل اور یہ بیتاب نظّارے
ملائم فرش پر کیفِ طرب میں ناچتے تارے
یہ آئینوں میں جُنبیاں برق رُو جلوؤں کے گہوارے
مچلتے ہیں بساطِ آب پر بے چین مہ پارے

چٹانوں پر ہے اک خوابِ آفریدہ ہوش خاموشی
سکوت اندوز غاروں میں تکلّم کوش خاموشی

# دوشامیں

اک شام تھی وہ بھی کبھی آغوشِ نظر میں
طوفان تھا جلوؤں کا مرے قلب و جگر میں
خوشبو سے تری مست تھیں شاداب فضائیں
کلیوں کو تھپکتی تھیں فسوں کار ہوائیں
پھولی تھی شفق یوں کہ تجھے شمع دکھائے
رنگین ضیائیں ترے رستے میں بچھائے
چھائی تھی چمن پر تری گلبار جوانی
آئینہ دکھاتا تھا جھلکتا ہوا پانی
سبزہ ترے ہنس ہنس کے قدم چوم رہا تھا
مہکے ہوئے جھونکوں سے چمن جھوم رہا تھا

ادراک کے قانون پہ چلتا تھا دھندلکا
بچ کر تری راہوں سے نکلتا تھا دھندلکا
چلتی تھیں ہوائیں ترے دامن کو سنبھالے
تختہ کوئی کلیوں کا نہ جھرمٹ میں اٹھا لے
اس پاک تمنا میں کہ تو روند کے جائے
ہر گام پہ بیتاب تھے تھکے ہوئے سائے
کلیاں تھیں ترے سامنے شرمائی ہوئی سی
خوشبو کو بسیروں میں تھی نیند آئی ہوئی سی
اس ناز سے پڑتی تھیں ملاحت کی پھواریں
بوجھل سی ہوئی جاتی تھیں پلکوں کی قطاریں
خم تھیں ترے قدموں پہ شعاعوں کی جبینیں
آتی تھیں فلک سے مری نظموں کی زمینیں

عفّت کے نشے میں تری لغزیدہ خرامی!
شاعر سے لکھا کر رہی رہی خطِّ غلامی

ہے آج بھی سورج تو اُسی طرح ضیا بار
لیکن مری آنکھوں میں ہے نظّارۂ بیمار

تو جب سے نہیں ہے یہ مرا حال ہوا ہے
جو چیز نگاہوں میں ہے محرومِ ادا ہے

مُرجھائی سی جاتی ہیں ضیا بار فضائیں
شبنم سے ہیں سیلی ہوئی افسردہ ہوائیں

دُھندلے ہیں چمن رنگیٔ فطرت کے نظارے
آتے نہیں گردوں کے دریچوں میں ستارے

کمُھلائے ہوئے پھُول ہیں روکے ہوئے آنسو
لپٹی ہوئی کانٹوں سے ہے سہمی ہوئی خوشبو،

سبزے پہ دبے پاؤں مچلتا ہے اندھیرا
فطرت کے مساموں سے نکلتا ہے اندھیرا
ہیں سایۂ اشجار میں ہانپتے ہوئے نغمے،
جھینپتے ہوئے۔ سمٹے ہوئے۔ کانپتے ہوئے نغمے
نوخیز دھندلکوں سے جو لبِ نور رہا ہیں
آنکھوں سے نکلتی ہوئی ڈرتی ہیں نگاہیں
سُرخی میں سیاہی سی فلک گھول رہا ہے
جو رنگ ہے پرواز کو پر تول رہا ہے
ہر لحظہ فضا درہم و برہم' ارے توبہ!
عالم پہ یہ اک نزع کا عالم' ارے توبہ!
اک بار پھر اِس خلوتِ خاموش میں آجا!
آغوش میں آجا مری آغوش میں آجا!

# ساون

برسات کی بھیگی راتوں میں اکثر یہ عالم ہوتا ہے
دل ہنستا ہے میں روتا ہوں میں روتا ہوں دل ہنستا ہے
سیلابِ تبسّم بن بن کر پُر شور ہوائیں چلتی ہیں
گلزارِ برستی راتوں میں نغمات کی دنیا ہوتا ہے
ساحل سے پرے لہراتا ہے سبزے کا سمندر کوسوں تک
سر میں وہ ہوا بھر جاتی ہے دل جوش میں آ کر روتا ہے
جس وقت اُترتی بوندوں میں سارس کی صدائیں سنتا ہوں
اُس وقت سلگتے سینے میں اک حشر سا برپا ہوتا ہے

کھیتوں پہ برستے پھرتے ہیں مدہوش ترانوں کے بادل
آغوشِ عروسِ فطرت میں معصوم بیاباں سوتا ہے
رنگین پھریرے اُڑتے ہیں تسکین کے بالاخانوں پر
گو چار ہی دن کا ہوتا ہے کیا خوب تماشا ہوتا ہے
کعبے کی حقیقت کھلتی ہے اُٹھتی ہے نقابِ بتخانہ
ہر اشک نظر کے دامن سے تفریق کے دھبے دھوتا ہے
پہلو سے ندا یہ آتی ہے ہر چیز فنا ہو جائے گی
بے سود بہارِ دنیا پر سر دُھنتا ہے خوش ہوتا ہے
کیوں بارِ تغافل رکھتا ہے ایمان کی پشتِ نازک پر
عصیاں کی سراب انگیزی میں طغیانِ جہنم ہوتا ہے
مایوس اُمیدیں دل میں لئے میں نہر پہ تنہا پھرتا ہوں
تخئیل ہے گو بیدار مری احسانؔ نصیبا سوتا ہے

# وادیٔ کشمیر کی ایک صبح

کہسار کو سحر کا پیغام مل رہا ہے
ہر پھول ہنس رہا ہے ہر غنچہ کھل رہا ہے

اُتری ہیں نرم کرنیں کلیوں کو گدگدانے
چشموں میں جاگ اُٹھے سوئے ہوئے ترانے

تاریک گھاٹیوں میں تنویر بٹ رہی ہے
جلوؤں کی پاک دیوی آنچل اُلٹ رہی ہے

مُژدہ سحر کا پاکر سر سے اُتار ڈالے
پیڑوں نے تیرگی کے اوڑھے ہوئے دوشالے

گلزار زادیوں کے مکھڑے نکھر رہے ہیں
دُھندلی ترائیوں میں جلوے بکھر رہے ہیں

بربط اُٹھا لئے ہیں شاخوں نے گنگنا کر
نظریں اُٹھا رہے ہیں ذرّات مسکرا کر

کس درجہ دلربا ہے یہ خنکیوں کی بستی
پستی میں نازِ رفعت، رفعت میں عجزِ پستی

سردی سے کپکپاتا سورج نکل رہا ہے
ٹھنڈی پہاڑیوں پر سونا پگھل رہا ہے

کرنوں کے تاج پہنے جھونکے جو آ رہے ہیں بھیگے ہوئے مناظر دامن سکھا رہے ہیں
جہلم[1] مری نظر کے دامن میں بہ رہا ہے سنگین پیچ و خم کا افسانہ کہہ رہا ہے
جنبش میں آ رہی ہیں امواج کی زبانیں غلطاں ہیں جن میں لاکھوں سیّال داستانیں
محفل میں پتھّروں کی لہرا رہا ہے پانی چشموں میں بہ رہی ہے کہسار کی جوانی
آباد ہے نظر میں فردوسِ خندہ ساماں دوشیزگی کی گلیاں، پاکیزگی کے ایواں
چشمے اُتر اُتر کر دریا میں آ رہے ہیں گا گا کے بِل رہے ہیں، مِل مِل کے گا رہے ہیں

دل بے نیازیوں سے مانوس ہو رہا ہے
میں مر چکا ہوں ایسا محسوس ہو رہا ہے

---

[1] دریائے جہلم جو کشمیر کے ایک چشمہ "ویری ناگ" سے نکلتا ہے۔

# قلب ونظر

# رباعیات

# قرآن اور مزدور

سحر ہو رہی ہے گجر بج رہے ہیں
در و بام تنویر سے سج رہے ہیں
گئی کانپتی رات سردی کے مارے
فضاؤں میں بہتے ہیں کرنوں کے دھارے
ہے چھپّر میں مزدور محوِ تلاوت
سراپا شرافت، سراپا صداقت
سیہ ریش آبِ وضو سے جو تر ہے
اندھیرے میں گویا طلوعِ سحر ہے

لبوں پر ہے جنبش ہیں تبریکِ ایماں
جبیں پر شعاعیں لبوں پر ہے قرآں

وہ قرآں جو ہے رہنمائے صداقت
وہ قرآں جو ہے مرکزِ ابرِ رحمت
وہ قرآں جو قندیلِ ہر دو جہاں ہے
وہ قرآں کہ جس کی زمیں آسماں ہے
وہ قرآں سکھاتا ہے جو نکتہ دانی
وہ قرآں دکھاتا ہے جو کامرانی

وہ قرآں جو ہے نظمِ عالم کا مطلع
وہ قرآں جو ٹھہرا نبوّت کا مقطع

وہ قرآں جسے عرش کا تاج کہیئے
وہ قرآں جسے رُوحِ معراج کہیئے

وہ قرآن باطل کو جس نے مٹایا
وہ قرآن عالم پہ جس کا ہے سایا

وہ قرآں جو ذرّات کو بال و پر دے
وہ قرآں جو ظلمت کو تابندہ کر دے

وہ قرآن جو ہے کلامِ الٰہی
گداؤں کو جس سے ملی بادشاہی

جو کانٹوں کو پھولوں کے انداز بخشے
جو بے بال و پر کو بھی پرواز بخشے

جو تسکین دے زلزلوں کے دلوں کو
بنا دے جو زر کار مستقبلوں کو

جو صحرا کے سینے کو گلزار کر دے
جو برقِ تپاں کو گہر بار کر دے

جو مرقد میں سوئے ہوؤں کو جگا دے
جو شبنم کو آتش کدوں سے لڑا دے

جو ایسا فغاں سے کرے آگ پیدا
کہ سینے سے ہو برف کے آگ پیدا

مگر اس کا مزدور پر یہ اثر ہے
کہ سردی ہے اور پیرہن خستہ تر ہے

پرستش کا دلدادہ منعم گزیدہ گریباں میں پیوند دامن دریدہ
نگاہِ المناک میں التجائیں جھپکنے میں پلکوں کے سو سو دعائیں
ہزاروں امیدوں کا مدفن ہے سینہ ہے فاقوں کے دریا میں دل کا سفینہ
جو لب تک نقاہت سے رک رک کے آئیں وہ کیا جائیں بابِ اثر تک دعائیں
ہر اک سانس افلاس کی داستاں ہے غمِ دو جہاں اور تن ناتواں ہے

چمن اس کی راحت کا زیر و زبر ہے
کدھر ہے تو اے رحمتِ حق کدھر ہے؟

یہ کیا کھیل ہے تیرا اے ذات بیچوں! کہ مزدور اور اس طرح زار و محزوں
ترے عاشقِ زار اور آبدیدہ؛ غریبوں سے اور تیری رحمت کشیدہ؟
یہی ہیں جو تجھکو خدا مانتے ہیں چمن سازِ کون و مکاں جانتے ہیں

نہیں یہ تو پھر وحی و پیغام کیسا؟
یہی جب نہ ہوں گے تو اسلام کیسا؟

# ناخواندہ خاتون

یاد ہے اب تک وہ منظر ڈھل چکا تھا آفتاب
دھیما دھیما تھا شرر افروز کرنوں کا رباب
کٹ چکے تھے جنگلوں میں جا بجا گیہوں کے کھیت
جم رہی تھی پاؤں سے چپکے ہوئے تنکوں پہ ریت
جُھک رہی تھی معبدِ مغرب میں سورج کی جبیں،
چُپ تھی خالی گود پھیلائے ہوئے بیوہ زمیں
خار و خس میں پُر شکستہ ٹڈیوں کی آہٹیں
نہر کی پٹڑی پہ جالوں کے تلے دُھندلاہٹیں

بڑھ رہی تھی چھاؤں کھیتوں کے کناروں کی طرف
پھیلتے جاتے تھے سائے رہگذاروں کی طرف
نالہ زن ننھیں فاختائیں ڈھل رہی تھی دوپہر
ہلکی ہلکی سانس لیتی چل رہی تھی دوپہر
سنسناتی کیکروں کی ٹہنیاں کچھ خم سی تھیں
دُھوپ کی شدّت، لُوؤں کی سیٹیاں مدّھم سی تھیں
دھُوپ تھی پیڑوں کی چوٹی پر تنوں پر سائے تھے
سائے میں گرمی کے مارے ہانپتے چوپائے تھے
آرہا تھا میں کھتولی[1] سے تھکا ہارا ہُوا
پیاس کا، پیدل سفر کا' دھوپ کا مارا ہُوا
پیڑیاں ہونٹوں پہ اعضا میں نقاہت سر میں درد
ذائقہ لیے کیف۔ گدّی گرم۔ پیشانی پہ گرد

---

۱؎ ضلع مظفر نگر میں ایک قصبہ۔

آرزوؤں کے لبوں پر التجا آرام کی،
تشنگی کو جستجو پانی کے ٹھنڈے جام کی
رفتہ رفتہ شہر میں احسانؔ جب میں آ گیا
وہ سماں دیکھا غرورِ زندگی تھرّا گیا
نوجواں خاتون سر پر اک رِدا ڈالے ہوئے
عشرتوں کو قالبِ اندوہ میں ڈھالے ہوئے
دل میں اک مزدور شوہر کی تڑپ دُنیا کا پاس
چتونوں پر بیکسی میلی بھوئیں پلکیں اُداس
ململی چادر کے نیچے منتشر زلفوں پہ خاک
آئینہ دارِ پریشانی جبینِ تابناک
آنکھ کا افسوں لبوں کی گلفشانی مضمحل
شدّتِ غم سے مزاجِ زندگانی مضمحل

سر سے پا تک غم کا نقشہ بے نواؤں کی طرح
رُخ پہ آوارہ لٹیں دھندلی شعاعوں[1] کی طرح

آئی ہے گھر سے نکل کر خط لکھانے کے لئے
گوشِ نامحرم کو رازِ دل سُنانے کے لئے

علم کو تقدیر کی تابندگی سمجھے ہوئے
جہل کو تکلیفِ دوشِ زندگی سمجھے ہوئے

راگنی کانٹوں کی لرزیدہ چمن کے ساز میں
غنچگی لہجے میں سوزِ بے کسی آواز میں

گفتگو میں ضبط کی کچلی ہوئی آہوں کا رنگ
دل میں عرضِ حال پر مجبوری و غیرت کی جنگ

رُوح پر احساسِ بے علمی سے غم چھایا ہوا
سر بسر ایڑی سے چوٹی تک عرق آیا ہوا،

[1] نواؤں کے ساتھ شعاعوں کا قافیہ دانستہ نظم کیا گیا ہے کیونکہ میں اسے جائز خیال کرتا ہوں آحسان

شرم سے معمور آنکھیں بیکسی کی نوحہ خواں
تھرتھراتے لفظ شرماتا بیاں، رُکتی زباں
یہ تو حالت اور ظالم سُست رو نامہ نگار
لکھتے لکھتے روک لیتا ہے قلم کو بار بار
سر پکڑتا ہے کبھی گردن جھکاتا ہے کبھی
آہنی خامے کو دانتوں میں دباتا ہے کبھی
تاکہ چشمِ بد سے وہ اس نیک خُو کو دیکھ لے
دیدۂ بے آبرو سے آبرو کو دیکھ لے
شرم! اے ہندوستاں آیادۂ غفلت کے مست
ہو گیا اے بیخبر کتنا ترا احساس پست
دیکھ اے غافل تو اپنے فرض سے ہے بے خبر
جاگ! اور ڈال اپنے انجامِ تمدّن پر نظر

کیوں نہیں ہوتا ہے تو انجامِ حق سے بہرہ ور
کیوں نہیں اُٹھتی تری اصلاح کی جانب نظر
اب بھی اُٹھ اور طبقۂ نسواں کی کچھ توقیر کر
دیکھ اپنے خوابِ غفلت کی ذرا تعبیر کر
غور کر ناکام ہے کیوں اپنی تدبیروں میں تو
غور کر کیوں قید ہے ناپاک زنجیروں میں تو
شفقتوں کے نور سے تیری جبیں روشن نہیں
نبض ڈوبی جا رہی ہے خون میں کھولن نہیں
مٹ گیا دل سے ترے تعلیم نسواں کا خیال
اس لئے اب تجھ میں اک مدت سے ہے قحط الرّجال
اب نہیں دیتی تجھے فطرت ترقی کا پیام
اب تری محفل میں بابر ہے نہ آرجن ہے نہ رام

جن کا دودھ اُن کو میسر تھا، وہ مائیں اور تھیں،
جن سے یہ پروان چڑھتے تھے، دعائیں اور تھیں
جھولتے تھے جن میں یہ سا وَنت وہ جھولے نہیں،
تاجدارانِ جہاں جن کو ابھی بھولے نہیں،
ہاں اگر پہلی سی مائیں ہوں تو پھر پیدا ہوں مرد
جن کا مشرب ہو اخوّت شغل ہو جن کا نبرد
جن کا دل بیدار ہو طوق و سلاسل دیکھ کر
جو چلیں ہر راہ پر حق و باطل دیکھ کر
جن کی آنکھیں ہوں بھیانک گھاٹیوں کی ازدر
سر جھکائے سامنے جن کے فرازِ کوہسار
جن کو طوفانِ تباہی میں نظر آئیں چمن
جن کی فطرت ہو تڑپتی بجلیوں پر خندہ زن

جن کی ٹھوکر سے رہے پامال میدانِ اَجل
منقبر ہے جن کو نظر آتے ہوں جنّت کے محل
جن کے قدموں کے تلے رُک کر چلے پتھّر کی نبض
دیکھتی ہوں جن کی لانبی اُنگلیاں خنجر کی نبض
ساعدوں پر جن کے ہو خونریز شمشیروں کو ناز
چٹکیوں پر جن کی ہو مرگ آفریں تیروں کو ناز
طنطنے سے جن کے ہو سیلابِ خوں کا رنگ فق
جن کی اک للکار سے آجائے شیروں کو عرق
کر سکیں جو دشمنوں کے مورچے زیر و زبر
سو سکیں راتوں کو رکھ کر لاشۂ انساں پہ سر
قہقہے ماریں جو بارانِ بلا کو دیکھکر،
نعرۂ حق سر کریں بابِ قضا کو دیکھکر،

دُھوپ میں خنجر ہوں جب قالین سا بنتے ہوئے
مُسکرائیں زخمیوں کی سِسکیاں سنتے ہوئے

جائیں توپوں کے دھماکوں میں گجر دَم جھُوم کر
برچھیاں لے کر بڑھیں ٹھنڈی اَنی کو چُوم کر

ماؤں کے سینے اگر ہوں مایہ دارِ علم وفن
کیوں نہ پھر بچّے ہوں پیدا ارجمند و صف شکن

با ادب ماں بے ادب اولاد جن سکتی نہیں
معدنِ زر معدنِ فولاد بن سکتی نہیں

ہرزہ گوئی کو شرافت کی زباں ہلتی نہیں
سینۂ گُل میں عفونت کو جگہ ملتی نہیں

علم کا جلوہ چراغِ مجلسِ اجسام ہے
قوّتِ تعلیمِ نسواں قوّتِ اقوام ہے

# ڈلؔ پر مزدور

وادیٔ کشمیر اور پھر ڈل پہ بہ ہنگامِ شام
کشورِ تنویر میں ہے ظلمتوں کا اہتمام
سا تگینوں میں نسیمِ شام کے ہے روحِ گُل
اور شمیمِ جاں فزا ہے بادۂ بے ظرف و جام
چھن رہا ہے آنچلوں سے ابر کے رنگِ سیاہ
پڑ گیا دھیما حسیں موجوں کا بے پروا خرام
ہیں رواں ہر سو مُلائم تیرگی کے قافلے
جا بجا بے نور سنّاٹے ہیں مصروفِ خرام

ڈلؔ سرینگر کشمیر کی مشہور جھیل،

بار سے تاریکیوں کے دب رہی ہے روشنی
کھل رہی ہے نوعروسِ شب کی زلفِ مشک فام
جھک گئیں جلوؤں کی پلکیں رک گئی نبضِ شفق
پڑ گئی محرابِ مغرب پر ردائے تیرہ فام
یہ ہجومِ کوہ یہ سمٹی ہوئی راتوں کے ڈھیر
رک گئے ہوں جیسے نیلی آندھیوں کے ازدحام
بھاری بھاری تیرگی ہے ہلکی ہلکی روشنی
پھیکے پھیکے سے چمن ہیں تھکا تھکا سا مشام
وقت کے عارض پہ وہ نمکینیاں ہیں الاماں
ہر کنول کا پھول ہے گویا چراغِ بزمِ شام
سو رہے ہیں پتھروں کے بستروں پر زمزمے
نطق کی بستی میں ہے لب بستگی کا اہتمام

یہ شکارے[۱] سانولے خوابوں کی رنگیں کشتیاں
نیم بیداری کے دھارے پر ہیں سرگرمِ خرام
شوخئ فطرت میں اندازِ حیا پیدا ہوا
شورشوں سے اک سرودِ بے صدا پیدا ہوا

آہ اس دھندلے سے منظر میں رہینِ انقلاب
جا رہا ہے اک جواں مزدور با حالِ خراب
وقتِ رفتن پیرہن کی دھجیاں ہلتی ہوئیں
رہگذروں کے ٹھاٹھ سے کٹتا ہوا عزمِ شباب
جنبشِ مژگاں میں دل کی ناتوانی کا ثبوت
چینِ پیشانی میں محرومی تبسم میں حجاب
کرب سے اترے ہوئے بے نور چہرے سے عیاں
شادمانی سے کنارا راحتوں سے اجتناب

[۱] چھوٹی کشتیاں

پتلیوں کے گرد آنسو رقص سا کرتے ہوئے
ٹھیس سے چھلکی ہوئی پیمانۂ دل کی شراب
دامنِ عسرت میں عہدِ نوجوانی غنچہ ریز
مفلسی کی گود میں سوئی ہوئی روحِ شباب
گرد آلودہ جبیں میں جرأتوں کے آئینے
ہر نفس کی آمد و شد برق و باراں کا جواب
سامنے تقدیر کے تدبیر ہے محوِ سجود،
مطلعِ خاکی کے تارے پر ہے گردوں کا عتاب
بدنصیبی سے خزاں کی زد پہ تھراتا ہوا
آنکھ کا غنچہ، لبوں کا لالہ، عارض کا گلاب
ہائے چھانٹا ہے کسے مشقِ تظلم کے لئے
دیدنی ہے گردشِ گردوں کا ذوقِ انتخاب

یہ بجا ہے رائج ہے آغازِ جہاں سے آج تک
مکتبِ آلام میں مردانہ سیرت کا نصاب
لیکن اُف یہ موت کا سیلاب اور انساں کا دل
صرصرِ اندوہ کے جھونکے ہیں اور جانِ حباب
کس طرح کہدوں کہ شکوہ آدمی کی بھول ہے
مسئلہ یہ پیشِ اہلِ ہوش نامقبول ہے

## مشورہ

دریائے زندگی میں جوانی کے گھاٹ پر
ہے کس کا مشورہ کہ یہاں ناخدا کو ڈھونڈھ؟
ہے شامِ عمر ڈوبنے والا ہے آفتاب!
اب جستجوئے دوست عبث ہی خدا کو ڈھونڈھ!

# طوفانی نغمہ

زمانہ ہو گیا گنگا میں اک آئی تھی طغیانی
جلو میں جس کے دامن تھام کر چلتی تھی ویرانی
تھا جل تھل ایک کوسوں تک مسافر تھے نہ راہیں تھیں
یہ عالم تھا ہوائے شام کے لب پر بھی آہیں تھیں،
جو ریلا ہڑبڑا کر ناگہاں کروٹ بدلتا تھا
بیابانوں کی پیاسی ریت کا دم سا نکلتا تھا
تھی دہشت آفریں پھنکارتی موجوں کی بیباکی
سرِ ساحل سراسیمہ تھی پیراکوں کی پیراکی

درختوں کے قدم جمتے نہ تھے سیلاب کے آگے
فلک کی گردشیں بیکار تھیں گرداب کے آگے
عجب بپھری ہوئی موجوں کا نقشہ تھا روانی میں
کہ جیسے ناچتی ہوں جل دیویاں قالین پانی میں
ہوائیں تیز کر دیتی تھیں جب تیور دریڑوں کے
کنارا دھم سے گر کر پاؤں چھوتا تھا تھپیڑوں کے
ہر اک ریلے میں خونی موت کے قدموں کی آہٹ تھی
فضائے بحر میں سیلِ بلا کی سنسناہٹ تھی
جدھر پانی کا رُخ ہوتا تھا ساحل گرتا جاتا تھا
کسانوں کی عرق ریزی پہ پانی پھرتا جاتا تھا
بہا کر بستیاں دھارے نے کی تھی رہگذر پیدا
جو ٹکراتی تھیں دو موجیں تو ہوتے تھے شرر پیدا

یقیں ہوتا تھا اکثر جوشِ طوفاں کے قرینے سے
کہ اب مل جائیگا جھک کر فلک گنگا کے سینے سے
نہ بیڑوں کا پتہ تھا اور نہ کوسوں گھاٹ ملتا تھا
جہاں تک کام کرتی تھیں نگاہیں پاٹ ملتا تھا
مویشی نیمجاں تھے ہوش پراں تھے درندوں کے
بہے جاتے تھے بچّے آشیانوں سے پرندوں کے
کہیں بہتا نظر آتا تھا ساماں خانہ داری کا
کہیں غرقاب ہوتا تھا سفینہ کشتکاری کا
گھلا تھا ہر طرف رنگِ شفق دریا کے پانی میں
کہ موجیں سرد انگارے اگلتی تھیں روانی میں
نہ کشتی کا نہ ساحل پر پتہ تھا ناخداؤں کا
تسلّط تھا فقط طوفاں کے خونی دیوتاؤں کا

بچارے بے گھرے ہالی موالی روتے جاتے تھے
غریبوں کے مکاں موجوں کے لقمے ہوتے جاتے تھے
ہرن دلدل میں دھنس کر رہ گئے تھے خستہ جانی سے
نکل آئی تھیں اندھی مچھلیاں گھبرا کے پانی سے
فلک سے ہانپ کر بیمار سورج گرنے والا تھا
زمیں کی نعش پر کالا کفن فطرت نے ڈالا تھا
اسی نازک سمے میں جب تھے دونوں وقت ملنے کو
زمیں پر غش تھا طاری چرخ پر تھے پھول کھلنے کو
نہا آتا تھا اک چھپّر پہ اک اندھا پجاری بھی
جسے قسمت سے حاصل تھا کمالِ نغمہ باری بھی
بھجن گاتا ہوا آتا تھا اکتارے کی تانوں پر
ہوائیں لیکے تانیں جا رہی تھیں آسمانوں پر

بدن پر جو گیا بانا لٹیں شانوں پہ آوارہ
ہر اک موجِ نفس معراجِ روحانی کا ہرکارہ
نوا میں سوز بھی بشرے پہ نورِ حق پرستی بھی
تشکر بھی، خوشی بھی، جذبِ خود داری بھی، مستی بھی
نہ بے صبری، نہ بیہوشی، نہ بیچینی، نہ بیتابی
وہی مضراب کی ضربت، وہی چہرے کی شادابی
ترانے تیرتے تھے جب بھری گنگا کے دھارے پر
نوا اک گاتی ہوئی خنکی پہنچتی تھی کنارے پر
بھجن حل کر کے گردابوں میں گنگا پیتی جاتی تھی
جو لے چھڑتی تھی موجوں کے گریباں سیتی جاتی تھی
ہوائیں راگ کی پاکیزہ لہروں میں نہاتی تھیں
اندھیری رات کے بچپن کی گھڑیاں گنگناتی تھیں

اندھیرا جب ذرا گہرا ہوا یکدم فضا بدلی
ہُوا کم ہانپتا طُوفان، دیوانی ہَوا بدلی
فسونِ کم رَوی فطرت نے پھونکا تیز دھارے پر
وہ چھپّر رفتہ رفتہ آلگا آخر کنارے پر
نکالا کھینچ کر دیہاتیوں نے اس پُجاری کو
کہ وہ پہلا فریضہ جانتے ہیں غمگساری کو
حریمِ دل میں غیرت شرم ہے آنکھوں کے پردوں میں
ابھی تک بھی یہاں مردانگی باقی ہے مردوں میں
گئے گُذرے بھی اچھّے ہیں یہ شہری کجکلاہوں سے
برس پڑتی ہیں اب بھی بجلیاں ان کی نگاہوں سے
کہا میں نے پُجاری سے "یہ آخر ماجرا کیا تھا؟
کہ یہ کفِ دردہاں طُوفان اور تو نغمہ پیرا تھا!"

جواب اُس نے دیا مجھکو کہ سُن اے شاعرِ دانا!
فنا کو تو نے کیا سمجھا؟ بقا کو تو نے کیا جانا؟
قضا آتی جب دیتی نہیں اک پل بھی جینے کو
ڈبو دیتی ہے ظالم ریگزاروں میں سفینے کو
تو پھر ہم موت کو اک لمحہ کیوں دیں زندگانی کا
کریں کیوں فکر کر کے رنگ پھیکا شادمانی کا
جو موت آتی ہے آئے مرد کو مرنے کا غم کیسا؟
عمارت میں خوشی کی دفترِ رنج و الم کیسا؟

# کسان

(منصوری کے سفر میں)

منصوری کو جا رہی ہے گاڑی
کیا رنگ دکھا رہی ہے گاڑی

متوالی گھٹائیں گھر رہی ہیں،
میخانے اڑائے پھر رہی ہیں

کیا کجریاں گا رہے ہیں جھرنے
تانیں سی اُڑا رہے ہیں جھرنے

جوبن پہ گلاب آ رہا ہے
گلشن پہ شباب آ رہا ہے

سبزے میں بھنور سے پڑ رہے ہیں
جھونکوں کے قدم اکھڑ رہے ہیں

جو چیز ہے اس میں حسن و ضَو ہے
ہر سمت شراب کی سی رَو ہے

پھولوں سے پہاڑ سج رہے ہیں
بوندوں کے رباب بج رہے ہیں

کلیوں میں لہک رہی ہے مستی مستی میں بہک رہی ہے ہستی
سجدے میں درخت جھک رہے ہیں چوٹی پہ نشے سے رک رہے ہیں
پلکوں سے نسیم چھن رہی ہے پانی سے شراب بن رہی ہے
بوندوں سے دھلی ہوئی ہیں کلیاں کانٹوں میں تلی ہوئی ہیں کلیاں

گہرے سی فضائیں سرمگیں ہیں
وادی کی ادائیں دلنشیں ہیں

کھیتوں میں ہے اک غریب انساں محنت کے صلے کا مرثیہ خواں
بشرہ سے نمایاں خستہ حالی کندھے پہ کدال پیٹ خالی
چہرے سے شرافتیں نمایاں اعضا سے نقاہتیں نمایاں
کرتے سے گلے کو ڈھک رہا ہے گاڑھی کو پسینے سے تک رہا ہے
نظروں میں متانتوں کے جلوے سینے میں دیانتوں کے جلوے
سانسوں میں تھکی ہوئی سی تیزی ماتھے پہ نشانِ سجدہ ریزی

مُرجھایا ہوا شباب چُپ ہے ہنگامۂ انقلاب چُپ ہے
اب دُور نکل چکی ہے گاڑی پٹری بھی بدل چکی ہے گاڑی

اے کاش میں اُس سے بات کرتا
کچھ اور بھی التفات کرتا

## توقیر طاہر سے

محنت سے اگر کچھ مل سکتی انساں کو فراغت دنیا میں
مزدُور کا پرچم لہراتا شاہی کے بلند ایوانوں پر
تدبیر و عمل کا دم ٹوٹا تقدیر کا سایہ ڈھلنے پر
مغرور نگاہیں ڈال ذرا تاریخ کے قبرستانوں پر

---

ہ میرا ایک عزیز دوست

# محتاج حسینہ

(یادگارِ کشمیر)

اک حسینہ سر بسر تصویرِ یاس — گاؤں سے کچھ دور پکّے پُل کے پاس
ضعف سے لیٹی ہے ٹھنڈی خاک پر — گردِ رہ ہے عارضِ غمناک پر
بے سکت فالج کے مارے دست و پا — زندگی کا رہروؤں پر آسرا،
آنکھ سے برباد میخانے عیاں — نُطق سے خوں گشتہ افسانے عیاں
شدّتِ اندوہ سے چہرہ نڈھال — پپڑیاں ہونٹوں پہ گرد آلود بال
حسرت و ارماں کا دم ٹوٹا ہوا — دامنِ صبر و سکوں چھوٹا ہوا
گیسوؤں میں خار و خس اٹکے ہوئے — مُردہ ارماں راہ سے بھٹکے ہوئے
بھُربھُری مٹی کی عارض پر نقاب — جس طرح بادل کی تہ میں آفتاب

ہر نظر میں اک فغانِ بےصدا ہر نفس لطف و کرم کی التجا
روز کے فاقہ سے چہرہ زرد زرد سر سے لیکر پاؤں تک تصویرِ درد
زندگی گرداب میں آئی ہوئی آبرو کی ناؤ چکرائی ہوئی
سرنگوں اُٹھتی جوانی کا جمال،
مضمحل ہونٹوں پہ روٹی کا سوال
راستہ اور راستے میں یہ سماں یہ حسینہ یہ مصیبت الاماں
تُف ہے تجھ پر اے دیارِ کاشمیر یہ ستم اور یہ شبابِ بے نظیر
تیری شریانوں میں خونِ سرد ہے تیرا منہ شاداب ہے دل زرد ہے
دل بھر آتا ہے تری برسات سے درد اُٹھتا ہے ترے نغمات سے
تجھ میں ہوتا ہے صداقت پر عتاب
ہیں تری شادابیاں رنگیں سراب
تنگ نہیں اس میں کہ اے خلدِ زمیں بزمِ فطرت میں ترا ثانی نہیں

عشق تجھ میں ہو نہیں سکتا ملول پھوٹتا ہے تیرے ہر کانٹے سے پھول
تیری ظلمت میں ہیں تنویر نور کے تیرے ٹیلے ہیں ضمیمے طور کے
تجھ میں حوریں ہیں نواسنجِ شباب
تیرے چشمے ہیں فرشتوں کے رباب
لیکن اے بدبخت اے خوش گل دیار یہ نہیں معیارِ حسنِ کامگار
علم بھی ہے بے بہا جزوِ جمال جس سے رعنائی نہیں ہوتی نڈھال
علم سے آتی ہے رعنائی پہ آب علم ہے روحِ طربِ جانِ شباب
علم سے جو قوم ہے روشن ضمیر اس میں کب ملتے ہیں محتاج و فقیر
ملک جو سوئے جہالت جائے گا
گردشِ گردوں کی زد پر آئے گا

# مستانِ قلندر[1]

نہ دیکھ چشمِ حقارت سے بزمِ مستاں کو
کہ مستقل ہے درِ بوعلیؒ پہ ان کا قیام
یہ فیضیاب ہیں باطن کی درسگاہوں سے
یہاں فسونِ کتاب و کلام ہے ناکام
یہ رازِ جذب ہے اس کو سمجھ نہیں سکتے
ہوں مندروں کے پجاری، کہ مسجدوں کے امام
یہاں کا زینۂ اوّل ہے عالمِ ملکوت
بہت بلند ہے ادراک و فہم سے یہ مقام

---

[1] بوعلی شاہ قلندرؒ۔ پانی پت میں ان کے مزار پر عموماً مستوں کا ہجوم رہتا ہے۔

یہاں نماز کے لب پر ہے مُہرِ خاموشی
یہاں وضو و طہارت ہیں لرزہ براندام
عبائیں چاک گریباں، دعائیں سر بسجود
زمیں پہ لوٹتے پھرتے ہیں جامۂ احرام
اذان گنگ ہے، ناقوس گُم، گجر خاموش
یہاں ہیں مستیٔ عرفاں کے سکّہ و احکام
یہاں ہر ایک ہے نبّاضِ گردشِ دوراں
یہاں ہے موجِ تنفّس بصورتِ الہام
تمیزِ ابیض و اسود یہاں نہیں ہوتی
یہاں نہ زیست کو طعنہ، نہ موت کو الزام
یہاں خود اٹھتے ہیں راز و نیاز کے پردے
یہاں الٹتے ہیں اوراق چرخِ نیلی فام

یہاں کے مُرغکِ نوخیز بھی سمجھتے ہیں،
کہ دورِ عیشِ دو روزہ ہے ایک حلقۂ دام
یہاں نہیں ہے غمِ روزگار کی فرصت
یہاں خموش گزرتی ہے گردشِ ایّام
رُکی ہوئی ہے یہاں سانس بُت پرستی کی
یہاں ادب سے دوزانو ہے شوکتِ اصنام
اس انجمن میں عجب رسمِ بے نیازی ہے
یہ جستجو کے ہیں قائل، نہ آرزو کے غلام
یہاں نہیں ہیں تمنائیں وقت کی پابند
یہاں ہے وقت تمنّا کا بندۂ بےدام
یہاں نہیں ہے کسی کو ضرورتِ قاصد
براہِ راست ہیں مستوں کے نامہ و پیغام

رموزِ ہستیِٔ عالم کو پا رہے ہیں یہ
ورائے کرسی و افلاک جا رہے ہیں یہ

# دوستی اور قرابت

وفا انعامِ فطرت ہے جو ملتا ہے مقدّر سے
خصوصیّت یہ ہر اک آدمی میں ہو نہیں سکتی
قرابت دوستی کی آرزو رکھتی ہے اے ہمدم
مگر شرطِ قرابت دوستی میں ہو نہیں سکتی

# پرستش اور مزدور

سامنے شیتلا[۱] کے مندر میں — چند مزدور ہیں غریقِ نیاز
صبح کی دلنشیں صباحت میں — سنکھ اور گھنٹیوں کی ہے آواز
دھوپ ہے، یوں کلس پہ جلوہ فروز — ضبطِ الفت سے جیسے دل میں گداز
جھک رہے ہیں قدم پہ دیوی کے — یہ زمانے کے شیر دل جانباز
قشقہ پیشانیوں پہ لالہ فروش — انکھڑیوں میں خشوع کے در باز
خشک ہونٹوں کے بھیگے بھیگے خط — سرد پلکوں کی پنکھیاں ناساز
گردِ رہ سے اٹے ہوئے چہرے — مشکلوں میں شباب کا آغاز
ضعفِ دل سے بڑھی ہوئی دھڑکن — اشتہا سے گھٹی ہوئی آواز

۱؎ لاہور کا ایک مشہور مندر

## سوزِ دل سے تہی ہوئی سانسیں
## آنسوؤں سے بجھے ہوئے انداز

اے کہ تجھکو روا ہے سجدۂ شوق
اے کہ تیرا لقب ہے بندہ نواز

اے سمیع و بصیر یہ تو بتا
کیوں ہیں یہ حادثاتِ روح گداز؟

ہوں پرستار تیرے آشفتہ
اور غیروں پہ تیری بارشِ ناز

بھوک سے جاں بلب رہیں مزدور
اور تو منعموں میں جلوہ طراز!

تو رحیم و کریم ہے لیکن،
یہ کرم کا ہے کون سا انداز؟

# میرا گھر

ایک مرتبہ میرے مکان سے خط آیا کہ برسات کی کثرت سے مکان روز بروز شکستہ ہوتا جا رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بے پروائی تمھیں گھر سے بے گھر کر دے۔ لیکن اتفاق وقت کہ میں کانڈلہ جانے سے معذور رہا اور اس دوران میں وہاں بارش کے ساتھ ایک زلزلہ بھی آیا جس سے مکان بیٹھ گیا۔ کچھ عرصے کے بعد جب میں گھر پہنچا تو مجھے اپنے دوست حکیم شفیق الرحمن کے یہاں قیام کرنا پڑا،

شام ہے مینہ برستا ہے بساطِ خاک پر
بدلیوں کی جھڑیاں ہیں عارضِ افلاک پر

شورشوں کے دامنوں میں پل رہی ہے خامشی
زمزموں پر دھیرے دھیرے چل رہی ہے خامشی
گم ہوا جاتا ہے تاریکی میں حُسنِ رہگذار
کیکروں میں چھپ گیا مخدوم صاحب[1] کا مزار
ہو چلا تاریک میداں اُٹھ چلی جوہڑ سے بھاپ
سُن رہا ہوں راستوں میں رات کے قدموں کی چاپ
جُھک گئیں بیری کی شاخیں، ہو گئے سائے سیاہ
تھرتھرا کر سرد ذرّوں نے جھکا لی ہے نگاہ
شہر کی جانب ہیں چرواہوں کی آوازوں کے رُخ
سوئے گردوں ہیں ابابیلوں کی پروازوں کے رُخ
میرا ٹوٹا جھونپڑا ہے اور غلافِ شام ہے
سامنے اک شاہکارِ گردشِ ایّام ہے

[1] میرے وطن قصبہ کاندھلہ کی آبادی سے تھوڑی دُور جنوب مغرب کے گوشہ میں ایک بہت پرانا مزار ہے جس کو مخدوم صاحب

آہ یہ برسات کے مارے ہوئے دیوار و در
جن سے اب تک ہے نصیبوں کی بلندی جلوہ گر
ہائے دیواروں کے یہ مٹتے ہوئے نقش و نگار
کر رہے ہیں اور بھی غمگیں فضا کو سوگوار
یہ وہ گھر ہے جس میں مجھکو زندگی بخشی گئی
دل کو جذبہ، رُوح کو تابندگی بخشی گئی
میری طفلی کے گلستاں پہ یہیں آئی بہار
نُطق کی کلیوں نے سیکھا مسکرانے کا شعار
یک بیک فطرت کے اندازِ کہن بدلے گئے
دھجیوں میں پوششوں کے بانکپن بدلے گئے
وقت کی رَو سے عزیزوں کی نگاہیں پھر گئیں
جانبِ تخریب تعمیروں کی راہیں پھر گئیں

یاد ہے مجھ کو کہ جب اسکول سے آتا تھا میں
فکر میں ماں باپ کو ڈوبا ہوا پاتا تھا میں
راحتیں پرّاں ہوئیں دامِ بلا میں چھوڑ کر
رہ گئی آخر مری تعلیم بھی دم توڑ کر
باپ کی بارِ ضعیفی سے کمر خم ہو گئی
سازِ اطمینان کی آواز مدھّم ہو گئی
اس مکاں پر خود بخود اک سوگ سا چھانے لگا
حال اکثر عشرتِ ماضی کا غم کھانے لگا
زلزلوں کے سازہ پر شہتیر سر دُھننے لگے
صحن میں چھجّے اُتر کر کنکریاں چُننے لگے
سو گئے نغمات سنّاٹا جواں ہونے لگا
مُفلسی کا ہر طرف سِکّہ رواں ہونے لگا

وقت کی آندھی نے جا پھینکا مجھے پنجاب میں
اک قیامت کا سماں تھا اس پریشاں خواب میں
میں تو اپنی سخت جانی سے یہ صدمہ سہہ گیا
میرے غم میں میرا گھر برباد ہو کر رہ گیا
آج اپنے اس شکستہ گھر میں پھر آیا ہوں میں
بے بسی کے چند آنسو نذر کو لایا ہوں میں
دل بھر آتا ہے روکوں کس طرح انساں ہوں
آہ میں اپنے وطن میں ہوں مگر مہمان ہوں

# عورت کا ایثار

ابھی جاگا تھا شہزادہ سحر کا　　حیا سے زرد چہرہ تھا قمر کا
پڑے تھے زر فشاں کرنوں کے جھولے　　جھلاتے تھے جنھیں نوریں بگولے
شعاعیں جھک کے شبنم پی رہی تھیں　　ہوا کھا کھا کے کلیاں جی رہی تھیں
گلوں کے رنگ منہ سے بولتے تھے　　خس و خاشاک بازو تولتے تھے
برستے تھے درختوں سے ترانے　　تھے معمورِ ترنم آشیانے
نہ تھیں ذرّوں کی پروازیں فضائیں　　ابھی نغمہ آفرینی تھی ہوائیں
زری پیکر تھی ہر گلزار زادی　　منوّر تھی نگاہِ دل کی وادی
فضا تھی نور و نکہت کا سمندر　　چمن نکھرے تھے شبنم میں نہا کر

تھے یوں پودوں کے نیچے سائے بیتاب
کہ جیسے منتشر ٹوٹے ہوئے خواب

زبانِ صبح پر تھی شب کی تشریح
تقاضا وقت کا تھا سیر و تفریح

اُجالا ظلمتوں کو کھا رہا تھا
زمانہ آ رہا تھا جا رہا تھا

اسی وقت ایک بیوی اور شوہر
سڑک پر جا رہے تھے باغ سے گھر

تھی بیوی پر قدامت سایہ اَفگن
مگر مرغوب تھا شوہر کو فیشن

اِدھر شرم و حیا مقصودِ ہستی
اُدھر بچپن سے ذوقِ مے پرستی

اِدھر غیرت بڑی شے اور اُدھر کھوٹ
اِدھر چُنری اُدھر پتلون اور کوٹ

ادھر جلوے اُدھر یکسر اندھیرا
اِدھر تنویر اُدھر ظلمت کا ڈیرا

اِدھر عصمت، اُدھر بیباک طینت
اِدھر مذہب اُدھر لا مذہبیّت

اِدھر کلیاں اُدھر خارِ مغیلاں
اِدھر گلشن، اُدھر چٹیل بیاباں

ادھر پاکیزگی و پارسائی
اُدھر آوارگی و خود نُمائی

اِدھر خدمت گزاری فرضِ اوّل ‏ اُدھر احساس پر غفلت کے بادل
اِدھر شوہر پہ مٹ جانا سعادت ‏ اُدھر مہر و وفا یکسر حماقت
اِدھر تقویٰ اُدھر عصیاں کا پرچم ‏ غرض تھا مشرق و مغرب کا سنگم

اسیرِ عقد تحریروں کے باندھے
چلے جاتے تھے تقدیروں کے باندھے

اِدھر سے ایک عورت تیز و طرار ‏ تکلّف سے حیا سے دستبردار
ادا سے یوں لچکتی آ رہی تھی ‏ کہ بے دینی اشاعت پا رہی تھی
نظر تقدیسِ نسوانی سے محروم ‏ جبیں پر سرگزشتِ عمر مرقوم
ریا کی پختہ کاری سے وفا گُم ‏ تعیّش کی تمازت سے حیا گُم
بریدہ زلف رُخسار و پہ غازہ ‏ جوانی کیا، جوانی کا جنازہ
شباب اعلانِ معصومی سے عاری ‏ چراغِ زیرِ داماں شرمساری
نفس میں بوئے بادہ کی گرانی ‏ زباں میں برقِ پرّاں کی روانی

گنہ کے دوش پر عصمت کا لاشہ تمدّن کی تباہی کا تماشہ
نظر ملتے ہی دونوں مسکرائے قدم رکنے لگے دل ڈگمگائے
ہوئیں ڈھیلی شرارت کی نگاہیں اشاروں میں ہوئیں خفیہ سلامیں
وہ گھر پہنچا کے بیوی کو جو آیا
اُسے آتے ہوئے رستہ میں پایا
ہوئے آپس میں پیمانِ محبّت ملے دو دشمنِ جانِ محبّت
ہوئیں آپس میں یوں گھُل مل کے باتیں دہک اُٹھیّں گنہگاری کی راتیں
یونہی کچھ روز دونوں نے گذارے کہ صبحیں خوش تھیں راتوں کے سہارے
ہوس نے آرزو اتنی بڑھا دی کہ لفظوں میں ڈھلے جذباتِ شادی
ملا عورت کو جب شادی کا پیغام
تو وہ سمجھی یہ طائر ہے تہِ دام
لگی کہنے ارادہ ہے بڑا نیک میں حاضر ہوں مگر ہاں شرط ہے ایک

کہ پہلی بیوی کو آزاد کردو تمنّا کو مکمّل شاد کردو
جواب اُس نے دیا سُن کر کہ "اچھّا
کروں گا کوئی ایسی شکل پیدا
کہ وہ تنگ آکے میکے کو سدھارے
وہیں پھر زندگی کے دن گُذارے
ہوا اُس دن سے یہ اُس کا رویّہ گھُمایا بے رُخا فطرت کا پہیّہ
گھر آ کر بے خطا بے بات لڑنا اُلجھ پڑنا۔ بپھر جانا، بگڑنا
بھُلایا دل سے فرضِ ہمدمی کو روا رکھا شعارِ برہمی کو
ذرا سی بات پر سو پیچ کھاتا جنونی کی طرح سے بڑبڑاتا
بگاڑی اس طرح بیوی کی اوقات کبھی گالی، کبھی ٹھوکر کبھی لات
مگر وہ پاک سیرت نیک اختر
دُعائیں مانگتی رہتی تھی شب بھر

کہ یارب کر عطا مجھ کو وہ جوہر
مجھے سمجھے کنیزک میرا شوہر
بلند ایسا ہو جذبِ غمگساری
کہ سمجھوں کھیل کارِ جاں نثاری
مجھے توفیقِ قربانی عطا کر!
محبت کو درخشانی عطا کر!

رویّہ گرچہ اتنا تلخ تر تھا
نظامِ عافیت زیر و زبر تھا

مگر وہ نیک خو گردن جھکائے
سُنے جاتی تھی جو قسمت سنائے

نہ جب نفرت کے حربہ سے چلا کام
تو بیوی سے کہا "اے نیک فرجام

بیاں کرتا ہوں میں اک راز تجھ سے
ہوں نادم گرچہ اے دمساز تجھ سے
مجھے ہے عشق اک سیمیں لقا سے
سمن اندام سے محشر ادا سے
وہ شادی کے لئے ہے مجھ سے تیّار
مگر کہتی ہے یہ اے رُوحِ ایثار
"کہ پہلی بیوی کو آزاد کر دو
دو رنگی کا چمن برباد کر دو"

مرے قابو سے باہر ہے مرا دل بغیر اُس کے مجھے جینا ہے مشکل

سُنی اُس غم کی ماری نے جو یہ بات
اُمڈ کر آگئی آنکھوں میں برسات

لہو رگ رگ میں تڑپا صورتِ برق پسینے میں ہوئی سر تا بہ پا غرق
زمیں گھومی، فلک نیچے کو آیا نظر میں احمریں اندھیر چھایا
وہ فقرہ ہر نفس یاد آ رہا تھا زمانہ تھا کہ چکّر کھا رہا تھا
زباں کو جبکہ سُن پاتے تھے الفاظ لبوں میں تھرتھرا جاتے تھے الفاظ
اُمیدوں پر وبا منڈلا رہی تھی تصوّر میں قیامت آ رہی تھی

نظر جب فرضِ نسوانی پہ ڈالی
تو لے کر شمع کی صورت اُجالی

ہوئی یوں دست بستہ عرض پرداز کہ اے تاجِ حیات و محرمِ راز
ہمیشہ سے یہ میری زندگی ہے تمھاری ہر خوشی میری خوشی ہے

اگر یوں تم کو حاصل ہو مسرّت کہاں پھر مجھکو سرتابی کی جرأت
نگاہِ نکتہ پرور میں ہیں یکساں خداوندی و خاوندی کے عنواں
اگرچہ عمر بھر آفت سہوں گی میں اس ایثار پر نازاں رہوں گی

مجھے ہے یاد جب شادی ہوئی تھی
مری امّی نے یہ تاکید کی تھی
"پرائے گھر پہ بیٹی جا رہی ہو!
غریب امّاں پہ محشر ڈھا رہی ہو!
مگر تاباں رہے عصمت کا غازہ
چلی ہے پالکی! نکلے جنازہ!"

بُرے دن آ رہے ہیں جانتی ہوں مگر فرمانِ شوہر مانتی ہوں
میں خوش ہوں ہاں مجھے آزاد کر دو تمھاری چیز ہوں برباد کر دو
خدا تم کو ہمیشہ شاد رکھے! یہ رنگیں خلوتیں آباد رکھے!

رہے رقصاں نسیمِ مشکباری خزاں دیکھے نہ یہ فصلِ بہاری
تمہاری یاد ہے دل کی امانت امانت وہ نہ ہو جس میں خیانت
سنوں گی جب نئی دلھن سے ہو شاد ہیں رانیں رقص اور نغموں سے آباد
بُھلا دوں گی تباہی کے الم کو اُٹھا دوں گی بساطِ رنج و غم کو
مجھے منظور ہے میکے میں جانا
مبارک ہو تمہیں شادی رچانا

## ہمدردی

نہ کر سیراب جوئے آرزو سے کشتِ نفسانی
سما جاتا ہے اس بنجر میں چشمہ زندگانی کا
جوانی کھو کے انساں لاکھ تدبیریں کرے لیکن
دوبارہ ہاتھ آسکتا نہیں دامن جوانی کا

# مزدور کی موت

نیم شب زلفِ سیہ کھولے ہوئے ہے دوش پر
ہیں ستاروں کی نگاہیں ظلمتِ خاموش پر
کوہ سے تا کاہ دُنیا سو رہی ہے بے خبر
ذرّے ذرّے پر ہے گویا مسمریزم کا اثر
بس رہا ہے ذرّے ذرّے میں اندھیرے کا جہاں
تنگ گلیوں میں ہے ظلمت کاروان در کارواں
ہر طرف دنیا میں ہے بے نور خاموشی کا راج
آسماں پر ہے اندھیرے کی جوانی کا مزاج

ہیں شوالے بند ناقوسوں کے نالے سو گئے
تھیلیوں میں جل کے سکوں کے اُجالے سو گئے

تیرگی پھیلی ہوئی ہے ہر در و دیوار پر
شب نے ڈالا ہے اندھیرے کا کفن گلزار پر
لگ چکا ہے قفلِ خاموشی درِ گفتار پر
سنسناہٹ کا تسلّط ہے بھرے سنسار پر
زمزموں کی دلنوازی حسرتوں میں دفن ہے
آئینوں کی جلوہ سازی حیرتوں میں دفن ہے

کوئی ٹہنی خوف سے گردن اُٹھا سکتی نہیں
طائروں کی سانس پتّوں کو ہلا سکتی نہیں
اب نہیں راہِ سماعت میں سفر آواز کا
خون ٹھنڈا ہو چکا ہے مُطربوں کے ساز کا

تُندجھونکے تیرہ میدانوں میں ہیں سمٹے ہوئے
سو رہے ہیں ٹہنیوں سے زمزمے چمٹے ہوئے
سرد ہیں ذرّے، نمی کے بار سے بوجھل ہے خاک
آ رہی ہے برگ زاروں سے شمیمِ خوابناک
نیند کے سوتے ہیں بند آنکھوں میں لہرائے ہوئے
خواب میں دن کے تخیّل ہیں نمو پائے ہوئے

اب سحر سے پیشتر یہ رنگ کٹ سکتا نہیں
یک بیک یہ سُرمئی آنچل اُلٹ سکتا نہیں

اہلِ زر کے روشن و پُرکیف ایوانوں سے دُور
شہر کی سرحد پہ بازاروں کے دامانوں سے دُور
ایک ٹوٹا سا مکاں ہے یاس و حرماں درکنار
بام و در سہمے ہوئے خستہ منڈیریں سوگوار

سُرمئی چھپّر دھوئیں سے صحن ناہموار سا
ذرّہ ذرّہ سربسر ناساز سا بیمار سا

آگ چولھے میں نہیں یہ شدّتِ افلاس ہے
گھر کا گھر اوڑھے ہوئے گویا ردائے یاس ہے

طاق ہیں کالے دھوئیں سے اور گھڑوں پر کائی ہے
نیم جاں ذرّات کی ڈوبی ہوئی بینائی ہے

گھر کے اک کونے میں چکّی مفلسی کی رازداں
چھت میں جالوں کی چھتیں جالوں کے اندر مکڑیاں

اک طرف کو زنگ آلودہ توا رکھّا ہُوا
خستہ ڈیوٹ پر سِسکتا سا دِیا رکھّا ہوا

روشنی بیرنگ دیواروں پہ تھرّاتی ہوئی
پیڑیوں میں جھینگروں کو خواب دکھلاتی ہوئی

سرد دلِ چولھے کی کالک مضمحل دیوار پر
ٹکٹکی تاروں کی اس خاموش ماتم زار پر
گھر ہے کیا عکسِ الم ظلمت کے آئینے میں ہے
اک سُلگتا داغ آدھی رات کے سینے میں ہے
مشرقی حصّے میں اک مزدور بیمار و ضعیف
نامراد و ناتواں مجبور و معذور و نحیف
ہیں عرق میں تر بتر اُلجھی ہوئی داڑھی کے بال
ڈوبتی نبضیں، اُلجھتی ہچکیاں، چہرہ نڈھال
جانکنی سے جسم پر ٹھنڈے پسینے کی نمی
آرزوئے دید میں بیشی، بصارت میں کمی
ہلکا ہلکا ہے ورم پائے بیاباں گرد پر
سلوٹیں پڑ پڑ کے کھلتی ہیں جبینِ سرد پر

زندگی پر موت ہے تیغ و تبر تولے ہوئے
نیم وا آنکھوں میں مایوسی کے در کھولے ہوئے
خامشی کے بوجھ سے بیٹھی ہوئی آواز ہے
سازِ دل اُترا ہوا ہے ہر صدا ناساز ہے

**قبر کی تاریکیاں تابندگی کی گھات میں**
**موت کا خونی سپاہی زندگی کی گھات میں**

پاس بیوی گود میں بچہّ لئے خاموش ہے
جس کی خاطر بیوگی کھولے ہوئے آغوش ہے
لب پہ لوری گرم آنسو چشم حسرتناک میں
نرم موسیقی کی دھاری نالۂ شب چاک میں
دیگچی خالی ہے چولھے پر دکھانے کے لئے
مضطرب بچوّں کو بہلا کر سُلانے کے لئے

کہتی ہے بیتاب ہیں بچّے الٰہی کیا کروں!
یہ سیہ بختی کی راتیں ! یہ تباہی! کیا کروں!
فکر میں بچّوں کی لیکن رنج و غم بیکار ہے
یہ تری بخشی ہوئی دولت ہے تو مختار ہے
روح فرسا غم ہے یہ مجھ خستہ تن کے واسطے
قرض کس سے لاؤں گی گور و کفن کے واسطے
طفلِ کم سن جھکتا ہے رہ رہ کے ماں کی گود سے
باپ کے سوچے ہوئے قدموں کو چھونے کے لئے
چھوٹے چھوٹے اور دو معصوم فاقوں سے نڈھال
پائینتی پکڑے کھڑے ہیں بحِس و بے قیل و قال
تشدر و حیراں ہیں گھر پر غم کا قابو دیکھکر
باپ کی گہری خموشی ماں کے آنسو دیکھکر

دھجّیاں کپڑوں کی اور بجھتی ہوئی سی صورتیں
جیسے نیلامی پہ دو چینی کی میلی مورتیں
کیا خبر اُن کو یتیمی گود میں لینے کو ہے
باپ کو تربت کی خاموشی صدا دینے کو ہے
جس طرح لیکر سنبھالا شمع ہوتی ہے خموش
یونہی جب دم توڑتے مزدور کو آتا ہے ہوش
کہتا ہے بیوی سے خالق کا بڑا احسان ہے
سو بھی جا اب تو مجھے تسکین و اطمینان ہے
جانبِ گردوں اُٹھاتا ہے وہ پھر دستِ دعا
اور کہتا ہے کہ سُن اے مالکِ ہر دوسرا
سانس کا نازک سفینہ کرب کے دھارے پہ ہے
موت کے بادل کا ٹکڑا روح کے تارے پہ ہے

زندگانی تیرے حکمِ خاص کی تعمیل ہے
موت کیا شے ہے، اسی تعمیل کی تکمیل ہے
گرچہ کچھ ساماں نہیں ہے اہتمامِ مرگ کا
خیر مقدم دل سے کرتا ہوں پیامِ مرگ کا
جانکنی میں مجھ کو چاہے جس قدر ہلکان کر
لیکن اس بیوہ پہ، ان بچّوں پہ یہ احسان کر
میرے بعد ان خستہ جانوں کو پریشانی نہ ہو
لرزہ بر اندام ان کی شمع ایمانی نہ ہو
یہ نہ ہو یہ جا کے پھیلائیں کہیں دستِ سوال
یہ نہ ہو اُترے ہوئے چہرے ہوں تصویرِ ملال
یہ نہ ہو ان کا غرورِ مفلسی برباد ہو
یہ نہ ہو ان کے لبوں پر نالہ و فریاد ہو

یہ نہ ہو یہ پھول ہمسایوں کی ٹھوکر میں رہیں
یہ نہ ہو یہ ظالموں کے جورِ بے پایاں سہیں!
یہ نہ ہو کر دے انھیں تو اپنی دُنیا کے سپُرد
یہ نہ ہو یہ لال ہوں بزمِ تماشا کے سپرد
یہ نہ ہو ان ضدّیوں کی کوئی ضد پوری نہ ہو
"یعنی پائے شوق میں زنجیرِ مجبُوری نہ ہو"
یہ نہ ہو اس نیک دل بیوہ کو دُنیا ہو وبال
یہ نہ ہو جینا اسے مرنے سے ہو جائے محال!
مفلسی بڑھ کر کہیں عصمت کی دشمن ہو نہ جائے
مامتا اولاد کی ایماں کی رہزن ہو نہ جائے
یہ نہ ہو سرمایۂ آہ و فغاں ہو زندگی
یہ نہ ہو دوشِ عناصر پر گراں ہو زندگی

میرے معصوموں کی جانِ زار کا والی ہے تُو
ان زبوں حالوں کا ہمدردِ زبوں حالی ہے تُو

کہتے کہتے یک بیک خاموش ہو جاتا ہے وہ
موت کے دامن میں گہری نیند سو جاتا ہے وہ

کیا یہی انصافِ یزدانی ہے اے پروردگار
کیا ترے بندے یونہی رہتے ہیں آفت کا شکار

کیا تری طاعت گزاری کا یہی انعام ہے؟
چاہنے والوں کا تیرے کیا یہی انجام ہے؟

کیا نہیں تجھ تک رسائی ناتواں آواز کی؟
کیا تجھے بھاتی نہیں لَے آنسوؤں کے ساز کی؟

یہ تری غیرت میں جزوِ بے نیازی ہائے ہائے
کیا اِسی کا نام ہے مفلس نوازی ہائے ہائے

# خانہ بدوش

میداں کے صاف سینے پہ آبادیوں سے دُور
ٹھہرا ہوا ہے خانہ بدوشوں کا کارواں
چہروں پہ گرد، سینے میں انفاس تیز تیز
آلام نے نگاہ کو بخشی ہوئی زباں
سنگین فطرتوں کے شرارے دبے ہوئے
ہلتی ہوئی پُرانے شلوکوں کی دھجّیاں
زلفیں گندھی گندھی ہیں تو چہرے سُتے سُتے
بازو بھرے بھرے سے ہیں تیور جواں جواں

ٹوٹے ہوئے کھٹولوں پہ بورے بچھے ہوئے
چولھے سے مثلِ آہ نکلتا ہوا دھواں
کچھ فاصلے پہ کھیت میں چرتے ہوئے گدھے
بیٹھی ہوئیں چٹائی سے کچھ دور بکریاں
ان کا کسی کو شہر میں رہنا نہیں پسند
دشمن اگر زمیں ہے مخالف ہے آسماں
تاریخِ ہند کے یہ پریشان سے ورق
بیمار، بلکہ مردہ تمدّن کے نوحہ خواں
برباد ہیں، ذلیل ہیں، رُسوا ہیں، خوار ہیں
دشت و جبل میں بھی انھیں ملتی نہیں اماں
دیکھ اے نگاہِ دیدۂ خودبین و خود پسند
تارا ہے اب کنوئیں کا جو تھا مہرِ آسماں

اللہ رے انقلابِ زمانہ کہ بھیل قوم
ہے کس قدر زبون و حزین و رواں دواں
جن کے مکاں پہ فتح کے پرچم بلند تھے
پھرتے ہیں دوش پر وہ اٹھائے ہوئے مکاں

# ماتم

شوقِ ماتم خوب شے ہے کارِ ماتم کچھ نہیں
سرد پڑ جاتے ہیں اس سے سینۂ سوزاں کے داغ
آنسوؤں کے واسطے آنکھوں کے دروازے نہ کھول
دل میں کیوں جلنے نہیں دیتا محبت کا چراغ

# دیہاتی دوشیزہ

تھوڑے دنوں کی بات ہے اے یارِ ہمنشیں
رنگیں غروبِ مہر سے تھی چرخ کی جبیں
دہلی سے باؔدلی کی طرف جا رہا تھا میں
دامِ نگاہ دشت میں پھیلا رہا تھا میں
بیداریاں تھیں خواب کی منزل میں گامزن
تھا دم بخود بلند کھجوروں کا بانکپن
دشت و چمن پہ لیلیٔ شب کی نگاہ تھی
رخشندگی کے رُخ پہ نقابِ سیاہ تھی

تھا رات کا نزول بڑے اہتمام سے
قلبِ سحر کا خون، ٹپکتا تھا شام سے
کمھلا گیا تھا جھومتے پودوں کا رنگ روپ
پگڈنڈیوں سے رو کے گلے مل رہی تھی دھوپ
تابندگی کا تاج تھا ظلمت کے پاؤں پر
جادو سا ہو رہا تھا درختوں کی چھاؤں پر
باصد ادا شمال کی جانب کو تھا رواں،
اک جھونپڑی کی گود سے اُٹھتا ہوا دھواں
میداں سمٹ رہا تھا باندازۂ نظر
صحرا کے نرم نرم دُھندلکے میں ڈوب کر
گہنلا رہی تھی جیسے یتیموں کی زندگی
پیڑوں کی چوٹیوں پہ گلابی سی روشنی

کروٹ سی لے رہا تھا ہواؤں پہ ابر وار
ریوڑ کا راستے میں اُڑا یا ہوا غبار
کاجل فلک کی آنکھ میں پھیلا ہوا سا تھا
دامانِ شام اوس میں بھیگا ہوا سا تھا
ہنس کر اُتر رہا تھا کوئی بامِ طُور سے
سکتہ میں کائنات تھی انجامِ نُور سے
میں مست تھا خیال کو روشن کئے ہوئے
سینے میں آفتابِ محبّت لئے ہوئے
دستِ خرد جنوں کے گریباں سے دُور تھا
لب پر نزولِ شعرِ نظر میں سُرور تھا
اُٹھی جو اک طرف مری مچلی ہوئی نظر
کیا دیکھتا ہوں دھان کی کیاری کے موڑ پر

جاتی ہے اک حسینۂ نوعمر و عشق ساز
رُخ گاؤں کی طرف ہے بہ این نازِ دلنواز
عارض میں جلوہ ریز شفق کی تجلّیاں
بکھری ہوئی جبیں پہ عرق کی تجلّیاں
رخسار تھے کہ عرش سے اُتری ہوئی کتاب
مخمور انکھڑیوں میں لہکتا ہوا گلاب
طفلی بغل میں سازِ جوانی لئے ہوئے
کشمیرِ دلبری کی کہانی لئے ہوئے
خاموشیوں میں نغمۂ رنگیں گھُلے ہوئے
یزدانیت پہ عُمر کے تیور تُلے ہوئے
کھیتوں کو دیکھتی نگہِ چُست و چاق سے
ناتھے ہوئے شباب کو زرّیں بُلاق سے

شوخی کی وادیوں میں متانت کا آفتاب
بچپن کے مدرسے سے نکلتا ہوا شباب
آزادیوں کی بزم میں تہذیب کا پیام
لہجہ میں احتیاط، تکلّم میں روک تھام
شدّت سے جوشِ حُسن کی دہکا ہوا بدن
مہکا ہوا شباب کی خوشبو سے پیرہن
خوش خلق و خوش ادا و خوش انداز و خوش کلام
الہام ہر نگاہ میں ہر سانس میں پیام
ایسا پیام وجد کرے جس پہ کائنات
دل کے معاملات، محبّت کی واردات
احسان حُسنِ شہر نگاہوں سے گر گیا
ہر آفتاب رُو مرے دل سے اُتر گیا

آغوشِ عشق سے مرے کرنے لگے حذر
شہری جوانیوں کے اُڑائے ہوئے شرر
بے روح ناولوں کے جگائے ہوئے شعور
رنگیں مراقصوں کے اُبھارے ہوئے غرور
پاؤڈر کی سازشوں سے چمکتے ہوئے عذار
آوارگیٔ حُسن کے بخشے ہوئے وقار
آرائشوں کے زور پہ نکھرے ہوئے بدن
خاموش پکچروں کے سکھائے ہوئے چلن
بے طرفگی اداؤں میں پَر تولتی ہوئی
آغوشِ گلستاں میں خزاں بولتی ہوئی
کرنے لگے حدودِ توجہ سے اجتناب
شانوں کے آئینوں کے سنوارے ہوئے شباب

احساس نے یہ بڑھ کے صدا دی کہ غور کر
اے شاعرِ لطیف خیال و حزیں جگر!
"یہ لڑکی اُس کسان کی آنکھوں کا نور ہے
جس کا ضمیر غیرتِ تقدیسِ طور ہے
لاکھوں مقامِ مرگ ہیں جس کی حیات میں
پانی کو کاٹتا ہے جو سردی کی رات میں
تلوؤں میں جس کے رہتا ہے مصروفِ پیچ و تاب
گرمی کی دوپہر کا بھبکتا ہوا شباب
ہوتی ہے بے حجاب زمیں جس کے سامنے
جھکتی ہے موسموں کی جبیں جس کے سامنے
جو آشنا ہے ابر کے ہر رنگ روپ سے
جو کوندتا ہے برف میں لڑتا ہے دھوپ سے

راتوں کو پھینکتا ہے جو افلاک پر کمند
ہوتی ہے جس کے سامنے صرصر کی سانس بند
ہیبت سے جس کی تند بگولوں کا سر جھکے
جھکنے سے جس کے چرخِ بریں کی کمر جھکے
آبِ حیات جس کے پسینے پہ جان دے
جس کی زمیں کو نذرِ شفق آسمان دے
واحد مزاجدانِ بیاباں کہیں جسے
فیّاضِ کائناتِ گلستاں کہیں جسے
لیکن یہ آج اُس کا زمانے میں حال ہے
مرنا بعید فہم ہے، جینا محال ہے
آنکھیں ہیں وقف گریۂ خاموش کیلئے
خاموشیاں ہیں نالۂ پرجوش کیلئے

کپڑا اسے نصیب قبا کے لئے نہیں،
پیسے کا انتظام غذا کے لئے نہیں،
اس پیکرِ وفا کو بچھونا نہیں نصیب
اس غمزدہ کو چین سے سونا نہیں نصیب
گھر ایسا تنگ و تار کہ رہنا جہاں عذاب
کترا کے جائے جس کی منڈیروں سے آفتاب
چولھے کے پاس رات مویشی کریں بسر
امراض بام و در پہ جمائے ہوئے نظر
غم ہے فقط غریب کے کھانے کے واسطے
جینا ہے زندگی کو گھٹانے کے واسطے
صُبحوں میں رونقیں ہیں نہ شاموں میں رنگ ہے،
تعلیمِ نو میں اور جہالت میں جنگ ہے

ہے اک طرف تو علم کا ضو آفریں چراغ
اور اک طرف ہے جہل سے ٹھٹھرا ہوا دماغ
ہے اک طرف فسونِ تدابیر زُود بہ کار
اور اک طرف کرشمۂ تقدیر پر مدار
ہے اک طرف عمل سے امیدوں کی رسم و راہ
اور اک طرف توکّل و تقدیر پر نگاہ
منطق کا فلسفے کا وہاں اہتمام ہے
اور اس طرف رکوع و سجود و سلام ہے
اے کاش یہ کسان بھی اب راہ پر لگیں
اے کاش ان کے زُہد و ریاضت کو پَر لگیں

# مزدور کی لاش

(اناٹمی ہال میں چند لمحے)[1]

یاد آیام کہ اک دن تھی گھٹا چھائی ہوئی
زلفِ برسات کے شانوں پہ تھی لہرائی ہوئی
دل میں اک آگ لگاتی تھی پپیانو کی صدا
خلوتِ دل میں تھی راحت کی پری آئی ہوئی
لہلہاتے تھے نہائے ہوئے سبزے کے پلاٹ
ننھّی کلیوں کے لبوں پر تھی ہنسی آئی ہوئی
دن کے چہرے پہ ملاحت تھی مگر شام نہ تھی
روشنی سی تھی در و بام پہ شرمائی ہوئی

[1] دار تشریح جہاں ڈاکٹری کے طالب علم لاشوں کو چیر پھاڑ کر تجربے کرتے ہیں۔

مست جھونکوں کا تقاضا تھا "چلے جام چلے"
توبہ پھرتی تھی خیالات میں گھبرائی ہوئی
نور سا جاگ رہا تھا مری شریانوں میں
پشتِ غم بار بشاشت سے تھی خم کھائی ہوئی
جا رہا تھا میں عجب رنگ میں سرشارِ خیال
دل پہ کیفیّتِ الہام سی تھی چھائی ہوئی
چلتے چلتے جو قریب آگیا اپنا ٹمی ہال
بارش اُتری جو گھٹاؤں میں تھی منڈلائی ہوئی
دی یہ اک دوست نے آواز اِدھر آ! احسانؔ
میں جو پہنچا تو پریشاں مری بینائی ہوئی
دیکھتا کیا ہوں کہ ہر سمت سے جو آتا ہے
تیز نشتر لئے اک لاش پہ جُھک جاتا ہے

اور اُس کا کوئی اس حالِ پریشاں میں نہیں
جو یہاں ہے وہ سماں گورِ غریباں میں نہیں
جَم گیا خون، رُکی سانس، رگیں ہیٹھ گئیں
رنگ امّید کا اس نقشۂ حرماں میں نہیں
چھن گئی دولتِ گفتار، لُٹی جنسِ حیات
اب بجز خاک کچھ اس خاکۂ انساں میں نہیں
جسم پر نشتر و مقراض ہیں سرگرمِ عمل
گرمئ زیست کسی تارِ رگِ جاں میں نہیں
پھیپھڑے آتے ہیں سینے کے شگافوں سے نظر
اب وہ دھڑکن، وہ حرارت، دلِ بیجاں میں نہیں
روح لرزاں ہے عفونت کی عملداری ہے
دلکشی نام کو اس منظرِ نالاں میں نہیں

رنگ بھی جسم کا تبدیل ہے، اعضا بھی خراب
اُف بھی اس پیکرِ مجبور کے امکاں میں نہیں
تیرتی ہے رگ و ریشے میں محقق کی نظر
پردہ پوشی کی سکت بھی تنِ عریاں میں نہیں
میں تھا حیراں کہ یہ درویش ہے یا غازی ہے؟
کس کو یہ بعدِ فنا دعویٰ جانبازی ہے؟
خود کو یوں وقف کیا کس نے زمانے کیلئے
کون بیچین تھا اس رنگ میں آنے کیلئے
قیدِ تربت سے یہ کس مرد کو سوجھا ہے گریز
کون پامال ہے میزوں کو سجانے کے لئے
سورما کون یہ خدمت کے جنوں میں نکلا
کس مجاہد کا جگر ہے یہ نشانے کے لئے

کس کی فطرت میں تھی یہ حسرتِ پیکانِ ستم؟
جسم کے رازِ نہفتہ کو بتانے کے لئے
کس کی آنکھوں نے اُٹھائے ہیں نگاہوں سے حجاب؟
مِٹ گیا کون دماغوں کو بسانے کے لئے؟
کس کی چُپ ہو گئی مشاطۂ گیسوئے خیال؟
کون خوابیدہ ہے عالم کو جگانے کے لئے؟
سو گیا کون بُجھا کر یہ چراغِ ہستی؟
بزمِ اذہان میں فانوس جلانے کے لئے؟
کس کی ہر رگ میں تھی فصّاد نوازی کی تڑپ
گُم ہے یہ کون رہِ علم دکھانے کے لئے
کون آیا ہے یہ حکمت کے دھندلکوں کی طرف
رُوئے فطرت سے نقابات اُٹھانے کیلئے

میں نے پوچھا کوئی حاتم تھا کہ منصور تھا یہ؟
بولا اک شخص کوئی دور کا مزدور تھا یہ!

دل میں اک ہوک اٹھی جوشِ حمیّت لیکر
اشک آنکھوں میں ابل آئے حرارت لیکر

اے مزدور ازل ہی سے تقدّس بکنار
اٹھّے منعم زر و تمکین کی قوّت لے کر

موت کا حال مگر اہلِ دوَل سے پوچھو
ہاتھ ملتے گئے دل میں غمِ دولت لیکر

موت کی گود میں مزدور کو نیند آتی ہے
باغِ فردوس اترتے ہیں بشارت لیکر

مالداروں کو لحد میں بھی ہے اک حبسِ دوام
فاقہ مست آئے ہیں آزاد طبیعت لیکر

ان کے ڈھیروں پہ شعاعوں کی ہے ناوک فگنی
مُسکراتی ہے اِنھیں گود میں عصمت لیکر
ان کے ایوانوں پہ ویرانوں کی ہوتی ہے نمود
ماہ پارے یہاں آتے ہیں اجازت لیکر
سُرمۂ مفت نظر ہے یہاں باطن کی جِلا
جو یہاں آتے ہیں جاتے ہیں بصیرت لیکر
میں بھی شاید کہ پسِ مرگ یہیں آؤں گا
اسی عبرت کے تلاطُم میں سما جاؤں گا

---

# جشنِ بیچارگی

ہے داغِ دل اک شامِ سیہ پوش کا منظر
تھا ظلمتِ خاموش میں شہزادۂ خاور
عالم میں مچلنے ہی کو تھے رات کے گیسو
انوار کے شانوں پہ تھے ظلمات کے گیسو
یہ وقت اور اک دخترِ مزدور کی رخصت
واللہ قیامت تھی قیامت تھی قیامت!
نوشاہ کا، جو سر پہ تھا باندھے ہوئے سہرا
بھرپور جوانی میں تھا اُترا ہوا چہرا

اندوہ ٹپکتا تھا بشاشت کی نظر سے
مُرجھائے سے رُخسار تھے فاقوں کے اثر سے
کُرتا بھی پُرانا سا تھا پگڑی بھی پُرانی
مجبور تھی قسمت کے شکنجوں میں جوانی
نوشہ کے جو ساتھ آئے تھے دو چار براتی
ہر اک کی جبیں سے تھی عیاں نیک صفاتی
توقیر کے اُلفت کے شرافت کے مُرقعے
ایثار کے ایمان کے غیرت کے مُرقعے
ہمراہ نفیری تھی نہ باجا تھا نہ تاشا
آنکھوں میں تھا بے مہری عالم کا تماشا
مجمع تھا یہ جب خستہ و افسُردہ مکاں پر
تھا بھیس میں شادی کے وہاں عالمِ محشر

دالان تھا گونجا ہوا رونے کی صدا سے
اک درد ٹپکتا تھا عزیناک ہوا سے
امّاں کی تھی بیٹی کی جدائی سے یہ حالت
چیخوں میں ڈھلے جاتے تھے جذباتِ محبّت
تھا باپ کا یہ حال کہ اندوہ کا مارا
اُٹھتا تھا تو دیوار کا لیتا تھا سہارا
وہ آپ کہیں اور تھا جان اور کہیں تھی
سینے میں کوئی شے تھی جو قابو میں نہیں تھی
افلاس کے آرے جو جگر کاٹ رہے تھے
ارمان سب اپنا ہی لہو چاٹ رہے تھے
لڑکی کا یہ عالم تھا کہ آپے کو سمیٹے
گُڑیا سی بنی بیٹھی تھی چادر کو لپیٹے

تھی پاؤں میں پازیب نہ پیشانی پہ ٹیکا
اس خاکۂ افلاس کا ہر رنگ تھا پھیکا
انصافِ زمانہ تھا کہ تقدیر کا چکّر
ماں باپ کو آیا نہ تھا جوڑا ابھی میسّر
یوں کہنے کو دُلہن تھی یہ مزدور کی دختر
امّاں کا دوپٹّہ تھا تو ابّا کی تھی چادر
آخر نہ رہا باپ کو جذبات پہ قابُو
تھرّانے لگے ہونٹ ٹپکنے لگے آنسُو
کہنے لگا نوشہ سے کہ اے جانِ پدر سُن!
اے وجہِ سکوں، لختِ جگر، نورِ نظر، سُن!
گرچہ مری نظروں میں ہے تاریک خدائی
حاضر ہے مری عُمر کی معصوم کمائی

کی لاکھ مگر ایک بھی کام آئی نہ تدبیر
مجبور ہوں مجبور، یہ تقدیر ہے تقدیر!!

لیکن اسے ایمان کی دولت ہی بہت ہے
لڑکی کے لئے چادرِ عصمت ہی بہت ہے

اس سانولے چہرے میں تقدّس کی ضیا ہے
یہ پیکرِ عفّت ہے، یہ فانوسِ حیا ہے

اس کے لئے چکّی بھی نئی چیز نہیں ہے
بیٹی ہے مری دخترِ پرویز نہیں ہے

غربت میں یہ پیدا ہوئی غربت میں پلی ہے
خودداری و تہذیب کے سانچے میں ڈھلی ہے

زنہار یہ زیور کی تمنّا نہ کرے گی
ایسا نہ کرے گی کبھی ایسا نہ کرے گی

شکوہ اِسے تقدیر کا کرنا نہیں آتا
ادراک کی سرحد سے گزرنا نہیں آتا
ہے صبر کی خوگر اسے فاقوں کی ہے عادت
ماں باپ سے پائی ہے وراثت میں قناعت
اِس کی بھی خوشی ہو گی تمھاری جو رضا ہو
تُم اِس کیلئے دوسرے درجہ پہ خدا ہو
پھر آکے یہ بیٹی سے کہا نرم زباں سے
بچّی مری رخصت ہے تو اب باپ سے ماں سے
امّید ہے ہر بات کا احساس رہے گا
ماں باپ کی عزّت کا تجھے پاس رہے گا
اے جانِ پدر دیکھ وفادار ہی رہنا
آئے جو قیامت بھی تو ہنس کھیل کے سہنا

دل توڑ نہ دینا کہ خدا ساتھ ہے بیٹی!
لاج اس مری ڈاڑھی کی ترے ہاتھ ہے بیٹی!

آیا جو نظر مجھکو یہ جانکاہ نظارا
احساں نہ آنکھوں کو رہا ضبط کا یارا

تپنے لگی ہر سانس مری سوزِ نہاں سے
اتنا ہے مجھے یاد کہ نکلا یہ زباں سے

اے خالقِ کونین، یہ تو نے بھی سُنا ہے؟
دُنیا کو گُماں ہے کہ غریبوں کا خدا ہے!!

تو جن کا خدا اُن کا ہو گردش میں ستارا؟
کیا تیرے کرم کو یہ ستم بھی ہے گوارا؟

کس طرح نہ ہو دل کو بھلا رنج و محن دیکھ!
مزدور کے اس زندہ جنازے کا کفن دیکھ!

احساس کبھی دل سے جُدا ہو نہیں سکتا
انسان ہے انسان خُدا ہو نہیں سکتا

# افکارِ پریشاں

کہاں ہے زندگی میں اب وہ کیفِ زندگی باقی
کہ لے ڈوبی مجھے قلب و نظر کی سادہ اوراقی

لہو روتا ہوں بے توقیری و حرماں نصیبی پر
نہیں تعبیر کا محتاج میرا خوابِ مُشتاقی

پرِ پرواز کٹ کر رہ گئے سُلطاں ضمیری کے
جگر میں لے رہی ہے چٹکیاں تسخیرِ آفاقی

جہاں میں مُفلسی کس کی خوش اندیشی سہی یارب؟
یہ خلّاقی تو آساں ہے مگر مشکل ہے رزّاقی

# مزدور کا مہمان

پہاڑوں پر تھی سردی کی جوانی
ابھی بادل چھٹا تھا پڑ کے پانی

لبالب خنکیوں سے تھیں فضائیں
چلی آتی تھیں برفانی ہوائیں

فلک پر رینگتے پھرتے تھے بادل
نمی کے بار سے میداں تھے بوجھل

خموشی میں تھا شورش کا بسیرا
تھا غالب نور پر ٹھنڈا اندھیرا

نگوں تھیں ذرّے ذرّے کی نگاہیں
نگاہوں کیلئے تھیں بند راہیں

خمیدہ نرم شاخوں کی کمر تھی
سواری رات کی نزدیک تر تھی

لبِ فطرت پہ ساکن تھے ترانے
دُھندلکے تھے کہ بھوتوں کے فسانے

تھی شب نے زلف بکھرائی ہوئی سی
شفق کی آنکھ تھی آئی ہوئی سی

## ملمّع دن کا کالا ہو رہا تھا
## فلک اشکوں میں کاجل رو رہا تھا

اسی سردی میں اک بیچارہ مزدور — مشقت کا دھنی، قسمت سے مجبور
بہت گذری نہ تھی شادی کو مدّت — مگر اللہ رے پیسے کی قلّت
سُنہری آگ چولھے میں جلائے — تھا بیٹھا ہاتھ بغلوں میں دبائے
پُرانے ٹاٹ کے ٹکڑے پہ بیوی — سمٹ سمٹا کے چپ بیٹھی ہوئی تھی
سُنتے چہرے پہ ضبطِ غم کے آثار — پھٹی چادر میں پیوندوں کی بھرمار
بدن میں کپکپی سردی کے مارے — جگر میں آتشِ غم کے شرارے
نحیف اعضا میں کمیابی غذا کی — مگر بشرے پہ معصومی وفا کی
اُمنگیں فرطِ ناداری سے مایوس — نقاہت خستہ پیراہن میں ملبوس
حیا و شرم کے آنکھوں میں در باز — نگاہیں پائے شوہر پر بصد ناز
یہ تھا مزدورِ بیچارے کا عالم — کہ اُمیدوں کا تھا ٹوٹا ہوا دم

نظر پڑتی تھی جو بیوی کے رُخ پر ڈھلک آتی تھی کچھ گھبرا سی کھا کر
امیدیں، ولولے، افکار و جذبات بنے جاتے تھے ناموزوں خیالات
جوانی کا فسوں کم ہو رہا تھا تبسّم بھیگ کر غم ہو رہا تھا
گڑی جاتی تھی غیرت سے جوانی شرافت ہو رہی تھی پانی پانی
جبینِ سرد پر ساعت بہ ساعت جھلک اٹھتا تھا عنوانِ ندامت

بدلتی تھی نظر شعلوں پہ کروٹ
کہ اتنے میں بجی باہر کی چوکھٹ

سُنا مزدور نے جب شورِ زنجیر بنا چہرہ پریشانی کی تصویر
ہوا اندیشہ دل زوروں سے دھڑکا ہو جیسے بحر کی موجوں میں تڑکا

گیا ڈیوڑھی پہ ڈرتا کپکپاتا
تو اک مہماں کو پایا مُسکراتا

یہ حالت اور پھر مہماں کا آنا بدل کر رہ گیا کروٹ زمانا

خوشی مہمان کے آنے سے طاری مگر انجام سے دل بھاری بھاری
تبسّم لب پہ شرمایا ہُوا سا تکلّم گُلجھٹیں کھایا ہُوا سا
یہ ڈر اب اِنکشافِ حال ہوگا
غرورِ مفلسی پامال ہوگا
اسی ہنستی پریشانی میں آخر فریضہ جان کر مہماں کی خاطر
کرا کے خوب ڈیوڑھی کی صفائی بچھا دی گھر سے لاکر چارپائی
خیال آیا کہ ہمسایوں میں جاکر
جو مل جائے تو اک لے آئے بستر
مگر احساسِ ناکامی نے ٹوکا
شرافت نے دہائی دے کے روکا
نہ خودداری نے جب گردن جھکائی اُڑھا دی لا کے اپنی ہی رضائی
وہی اک ٹاٹ کا ٹکڑا جھٹک کر بچھا رکھا تھا جس کو گھر کے اندر

لحاف اس کو سمجھ کر جسم ڈھانپا کبھی اونگھا کبھی سردی سے کانپا
یونہی شب جاگتے سوتے گذاری بمشکل صبح کی آئی سواری

کہاں ہو مخملوں پر سونے والو!
سرابِ عیش پر خوش ہونے والو!
ذرا یہ شانِ مہمانی تو دیکھو!
تمدّن کی ستم رانی تو دیکھو!

## رُباعی

بے وجہ ہے کب سیف زبانی میری
صدموں سے ہے بھرپور کہانی میری
افراطِ غم و کثرتِ آلام نہ پوچھ!
مُفلس کا بُڑھاپا ہے جوانی میری

# زبورِ محبّت

# محبّت

محبّت ہر طرف ہے کارفرما بزمِ عالم میں
زمیں پر، آسماں پر، کہکشاں میں، گُل میں شبنم میں
محبّت کی ضیا سے چاند کا مکھڑا ہے تابندہ
محبّت سے عذارِ مہرِ عالمتاب رخشندہ
محبّت کی چمک ہے چرخ کے زرّیں ستاروں میں
محبّت کی تڑپ ہے تلملاتے برق پاروں میں
محبّت ہی کی بُو آتی ہے کلیوں کے پسینے سے
محبّت ہی چھلکتی ہے فضا کے آبگینے سے

محبّت سے شمیمِ جاں فزا کی نبض چلتی ہے
محبّت شبنمی قالین پر کروٹ بدلتی ہے
محبّت کی روانی ہے خرامِ جوئباری میں
محبّت پھول برساتی ہے فصلِ نو بہاری میں
محبّت بن کے آیا ہے خدا خود شکلِ انساں میں
محبّت کعبہ و بتخانہ کی شمعِ فروزاں میں
محبّت فلسفی کی روح میں آثارِ بیداری
محبّت لشکری کے جوش میں پیغامِ سالاری
محبّت گلرخوں میں حُسن بن کر جلوہ آرا ہے
محبّت ہی نے قیس و کوہکن کا رُوپ دھارا ہے
محبّت کے عدم سے زندگی بے نُور ہوتی ہے
محبّت ہو تو چنگاری چراغِ طُور ہوتی ہے

محبّت روح کا مذہب ہے، ایماں ہے نگاہوں کا
محبّت مدّعا پچھلے پہر کی سرد آہوں کا
محبّت جادۂ مہر و وفا سے ہٹ نہیں سکتی
محبّت ضربتِ تیغِ فنا سے کٹ نہیں سکتی
محبّت کو سکوں ملتا ہے اکثر اضطرابوں میں
محبّت کھولتی ہے آنکھ بے تعبیر خوابوں میں
محبّت غازیوں کے ولولوں میں لہر کھاتی ہے
محبّت برچھیوں کے ساز پر تانیں اُڑاتی ہے
محبّت ناچتی ہے جنگ کی خونیں زمینوں پر
محبّت روکتی ہے گولیاں بڑھ بڑھ کے سینوں پر
محبّت کشتیِٔ جاں موت کے دھارے پہ لاتی ہے
محبّت خنجروں کے بادلوں میں مسکراتی ہے

محبّت راگنی گاتی ہے توپوں کے دھماکوں میں
محبّت رنگ بھرتی ہے قضا کے سادہ خاکوں میں
محبّت سنسناتے تیر کھاتی ہے جبینوں پر
محبّت لوٹتی ہے خون کی پیاسی زمینوں پر
محبّت کھیلتی ہے سورماؤں کی جوانی سے
محبّت کلّیاں کرتی ہے تلواروں کے پانی سے
محبّت زیرکوں کی رُوح کے بیکل شراروں میں
محبّت پرچموں میں، بکتروں میں، ذوالفقاروں میں
محبّت کا ہے پہرا رات دن بابِ شہادت پر
محبّت پھول برساتی ہے اربابِ شہادت پر
محبّت کو کوئی طاقت مسخّر کر نہیں سکتی
محبّت غیر فانی ہے محبّت مر نہیں سکتی

# دردِ تلاش

بجا ہے فطرت نے مُجھکو ذوقِ ادب سے دلشاد کردیا ہے
مگر حقیقت یہ ہے کہ احساس دے کے برباد کردیا ہے
اگرچہ منزل گہِ جہاں میں کوئی مرا ہمسفر نہیں ہے
وہ کون سا جادۂ نہاں ہے کہ جس پہ میری نظر نہیں ہے
کبھی تصوّر جو تھا، اُسے میں بڑھا کے تصویر کرچکا ہوں
مٹا ہوں اس طرح سے کہ اپنا جہان تعمیر کرچکا ہوں
کیا ہے میں نے نیازمندی سے اک دلِ بے نیاز پیدا
ضمیرِ فطرت میں میرے سوزِ کلام سے ہے گداز پیدا

بپا کیے ہیں زمینِ شعر و سخن میں وہ انقلاب میں نے
دیے ہیں بجھتے ہوئے چراغوں کی گود میں آفتاب میں نے
جہاں ستاروں کی گردشوں میں دلِ حزیں کو جواں کیا ہے
الم میں ڈوبی ہوئی نگاہوں کو رفتہ رفتہ زباں کیا ہے
مرا تخیّل ہے قصدِ قدرت، سرودِ فطرت بیاں ہے میرا
بلندئ مہر و ماہ سے بھی بلند تر آسماں ہے میرا
قضا بھی آئے تو سر سے پا تک حیاتِ رخشندہ ہو کے جائے
مرے تصوّر کی طرح تنویر بار و تابندہ ہو کے جائے
مگر یہاں وصفِ زندگی میں کمی سی محسوس کر رہا ہوں
نظامِ فکر و نظر میں اک برہمی سی محسوس کر رہا ہوں
یہ آرزو ہے کسی کو رازِ حیات کا رازداں بنا لوں
کسی سے رودادِ شوق کہہ دوں کسی کو ہم داستاں بنا لوں

جو میرے جبریلِ شاعری کو اصولِ پیغمبری سکھا دے
جو میرے قصرِ یقیں کو صدق و صفا کی شمعوں سے جگمگا دے
جو میری محروم فرصتوں کو نویدِ مہر و وفا سنائے
جو میری مغموم خلوتوں کو حصارِ کیف و طرب بنائے
جو میرے اشکوں کا عکس دیکھے شبابِ تازہ کی آرسی میں
جو شمعِ مستقبل آگے روشن کرے مقدر کی تیرگی میں
خرابۂ دل کی ظلمتوں کو ضیائے جاوید کر کے چھوڑے
فضائے ہستی کے ذرّے ذرّے کو رشکِ خورشید کر کے چھوڑے
جو میری خودداریوں کے ہاتھوں میں کامیابی کا آئینہ دے
جو میری دشواریوں میں آسانیوں کو آنے کا راستہ دے
جو میرے داغِ دلِ حزیں کو سپہرِ ہستی کا ماہ سمجھے
وفا شعاری کو فرض جانے، جفا گری کو گناہ سمجھے

جو میری مغرور مفلسی کو بساطِ غم سے بلند کردے

جو ذوقِ شعری کو مقصدِ ذوقِ شعر سے بہرہ مند کردے

جو اپنی ہستی کا نقش قائم کرے شریکِ حیات ہو کر

جو میری آنکھوں کی پتلیوں میں رہے مری کائنات ہو کر

میسّر آجائے ایسی ہستی تو کیا بتاؤں کہ کیا کروں میں

نہ ہو غلامی کا رنگ جس میں وہ سجدہ برملا کروں میں

متاعِ نام و نشاں سے ہو پینوں امینِ نام و نشاں بنا لوں

جہان بھر سے بچا کے دامن اسی کو اپنا جہاں بنا لوں

اسی کو طاری کروں نظر پر اسی کو قندیلِ جاں سمجھ لوں

اسی کو اپنے شعورِ شعر آفریں کی روحِ رواں سمجھ لوں

خرام گاہوں میں اس کے نقشِ خرام کو کہکشاں بنا دوں

اگرچہ احسان ہوں میں فانی مگر اسے جاوداں بنا دوں

# نقوشِ باقی

(..... سے واپسی پر)

نظروں میں ہے اک چاند سی صورت کئی دن سے
آنکھوں کو نہیں نیند کی فرصت کئی دن سے

اب نالۂ غم ضبط کے قابو سے ہے باہر
اظہار کی زد پر ہے محبّت کئی دن سے

رَہ رَہ کے جو آتی ہے کوئی جانِ وفا یاد
بے طرح پریشاں ہے طبیعت کئی دن سے

ہوتا ہے گماں جس سے کہ دل بیٹھ رہا ہے
پھر ہے وہی لہجے میں نقاہت کئی دن سے

ہر شخص سے ہے بحث بہ عنوانِ محبّت
ہے کوششِ اخفاء کو ندامت کئی دن سے

نظروں سے گرا جاتا ہے افلاس کا رُتبہ
لب پر ہے مقدّر کی شکایت کئی دن سے

آغوشِ تصوّر میں ہے اک صورتِ زیبا
ہے اور ہی حالات کی صورت کئی دن سے

ہر سانس میں اک آہ ہے ہر آہ پہ آنسو
ہوتی ہی نہیں غم کی حفاظت کئی دن سے

نومیدی و امّید بیک وقت ہیں دونوں
ہے زندگی و موت میں حجّت کئی دن سے

ہوتا ہی نہیں ختم خیالوں کا تسلسل
ملتی ہی نہیں اب مجھے راحت کئی دن سے

انجام کے نقشوں کا تصوّر، ارے توبہ!
آنکھوں میں ہے تصویرِ قیامت کئی دن سے
ہر وقت ہوں اک منظرِ بیمار میں گُم صُم
آرام نہیں ایک بھی ساعت کئی دن سے
کس طرح مجھے صبر و سکون آئے میسّر
خلوت ہی نہیں جب مری خلوت کئی دن سے
یہ خواب اگر ہے تو عجب خواب ہے یارب
حیراں ہے مرا دیدۂ عبرت کئی دن سے
احسانؔ نہ اب سیر، نہ تفریح، نہ جلسہ
ملتی ہے فقط رونے میں لذّت کئی دن سے

# شکریۂ فطرت

ادا زباں سے ہو فطرت کا شکریہ کیونکر
کہ اک گدائے فرومایہ کو شہی دے دی

عطا کیا ہے وہ مجھکو شریکِ تنہائی
کہ جس نے قلبِ فسردہ کو زندگی دے دی

وہ اُس کی مست نگاہی وہ اس کا طرزِ حجاب
خودی کے ہاتھ میں اک شمعِ بیخودی دے دی

وہ اُس کے رُخ کی ملاحت، وہ صبحِ ساحلِ گنگ
سیاہ خانۂ شاعر کو چاندنی دے دی

دبی زباں سے وہ شرما کے وعدہ ہائے وفا
سکوتِ شامِ تمنا کو بانسری دے دی

مجھے اسی کے لبِ لالہ آفریں کی قسم
کہ شاعری کیلئے روحِ شاعری دے دی

نظر پہ وجد تو طاری ہے رُوح دنگ تو ہے
وفا نہیں تو جفا میں وفا کا رنگ تو ہے

# کشمکش

میں حیراں ہوں کہ تکمیلِ محبّت کس طرح ہو گی

بساطِ بے بسی آغوشِ رحمت کس طرح ہو گی
پریشانی دوائے دردِ فرقت کس طرح ہو گی
یہ اک آزار کو دو طرفہ صحّت کس طرح ہو گی
مصیبت لاکھ پلٹے کھائے راحت کس طرح ہو گی
جنونِ عشق سے مجبور فطرت کس طرح ہو گی؟
میں حیراں ہوں کہ تکمیلِ محبّت کس طرح ہو گی؟

یہ مانا جذبۂ دل میں بڑی تاثیر ہوتی ہے
سیاہی مُسکرا کر مطلعِ تنویر ہوتی ہے
تصوّر کی مہارت مستقل تصویر ہوتی ہے
مگر تدبیر پھر منّت کشِ تقدیر ہوتی ہے
یہ دُنیا، یہ جہنّم زار، جنّت کس طرح ہوگی؟
میں حیراں ہوں کہ تکمیلِ محبّت کس طرح ہوگی؟
تجھے موقع تو مل جاتا ہے دو آنسو بہانے کا
غبارِ روح دھونے کا، لگی دل کی بجھانے کا
خبر بھی ہے کہ مجھ سے کیا رویّہ ہے زمانے کا
مجھے ہے حکم بہتے آنسوؤں میں مُسکرانے کا
نہیں معلوم آساں یہ مصیبت کس طرح ہوگی؟
میں حیراں ہوں کہ تکمیلِ محبّت کس طرح ہوگی؟

ترا مقصد ہے دو بیتیا بیاں ہم خواب ہو جائیں
وفورِ غم سے تپتی ساعتیں شاداب ہو جائیں
شبِ سرما کی پیاسی خلوتیں سیراب ہو جائیں
سحر تک جاگتی تنہائیاں نایاب ہو جائیں

بجا ہے ہم نوا لیکن مشیّت کس طرح ہو گی
میں حیراں ہوں کہ تکمیلِ محبّت کس طرح ہو گی

تجھے محبوب آئینہ ہے اور مرغوب ہے شانہ
بہ ہر پہلو منقّش ہے تری ہستی کا پیمانہ
کہاں تو شمعِ محبوبی کہاں میں ننگِ پروانہ
اُمیدیں تیری متوالی، تصوّر میرا دیوانہ

مرے پہلو میں تو اے حور طلعت کس طرح ہو گی
میں حیراں ہوں کہ تکمیلِ محبّت کس طرح ہو گی

ترے نازِ امارت با لبِ زری کیونکر اُٹھائیگی
مری مجبُوریوں پر تیری چاہت مُسکرائیگی
تجھے راتوں کو جب افلاس کی شدّت جگائیگی
مری مردانہ غیرت دل پکڑ کر بیٹھ جائیگی
وہ رُوحانی اذیّت آہ راحت کس طرح ہوگی؟
میں حیراں ہوں کہ تکمیلِ محبّت کس طرح ہو گی
ترانے گاؤں گا یا دل سے غم کے داغ دھوؤں گا
ہنساؤں گا تجھے یا ملک کی حالت پہ روؤں گا
رہوں گا شادماں یا ہار اشکوں کے پروؤں گا
مٹوں گا تجھ پہ یا مزدور کا غم کھا کے سوؤں گا
تمناؤں کی ہم آہنگ قسمت کس طرح ہو گی؟
میں حیراں ہوں کہ تکمیلِ محبّت کس طرح ہو گی؟

مجھے اب بھول جا شاید سکوں ہو بھول جانے سے
کہ حاصل کچھ نہیں اس یاد کرنے، یاد آنے سے
سمجھ لینا کہ کوئی ہو گیا رخصت زمانے سے
سرشکِ یاس پینے سے غمِ دُوری اُٹھانے سے
نہ جانے ورنہ دونوں کی شہادت کس طرح ہوگی!
میں حیراں ہوں کہ تکمیلِ محبّت کس طرح ہوگی؟

---

## فطرتِ حُسن

جس میں کل تک تھا امیدوں کا ہجومِ بے پناہ
اب وہی دل ہے کہ وقفِ نالۂ شبگیر ہے
حُسن کی فطرت کو برنائی نے عُریاں کر دیا
کمسنی گُل ہے، جوانی سر بسر شمشیر ہے

# معاملات

شکل اپنی تصوّر میں توّنے جو دکھادی ہے
ہر مژہ پہ اشکوں نے تسبیح بنادی ہے
اُلفت کی گھٹاؤں نے چھا کر چمنِ دل پر
تسکین کے غنچوں میں اک آگ لگادی ہے

بھاتی نہیں دنیا کی اب کوئی ادا مجھکو
راس آئی نہیں مُطلق یہ آب وہوا مجھکو
کعبہ کو اگر کعبہ سمجھا تو غرض یہ تھی
شاید کہ ترے در تک لیجائے خدا مجھکو

آلام میں راحت کی تلقین نہیں ہوتی
باتوں سے زمانہ کی تسکین نہیں ہوتی
جب عقل اُلجھتی ہے کہتا ہے جنوں بڑھکر
وحشت سے محبّت کی توہین نہیں ہوتی

میں یہ بھی سمجھتا ہوں ملنا ترا مشکل ہے
میں کب ترے قابل ہوں گو تو مرے قابل ہے
ہے یہ بھی یقیں لیکن اے جلوۂ رعنائی
جوہر مری فطرت کا آئینۂ محفل ہے

کیا رنگ دکھائے گی تقدیر خدا جانے
مِٹ مِٹ کے بنے کیسی تصویر خدا جانے
دیکھا تو ہے آنکھوں نے اک خوابِ پریشانی
اس خواب کی کیا نکلے تعبیر خدا جانے

گردوں کی نظر دیکھی، دُنیا کے سِتم دیکھے!
تقدیر کے میداں سے تدبیر کے رَم دیکھے
احباب کی خُو جانچی، خویشوں کی وفا پرکھی
کیا تم سے کہوں کیا کیا الطاف وکرم دیکھے
مجبور بتاتے ہیں مجبُور نظر ہم کو
بے نُور سمجھتی ہے بے نور نظر ہم کو
ہم کیا ہیں ہمارے دل کس نور کے حامل ہیں
دیکھے تو محبّت سے معمُور نظر ہم کو
حوروں کی نگاہیں ہیں ایوانِ محبّت پر
آنسو ہیں فرشتوں کے دامانِ محبّت پر
جتنے بھی صحائف ہیں ابوابِ محبّت ہیں
ایمان ہے خالق کا قرآنِ محبّت پر

# دعوتِ فکر

ہر سمت ہر طرف نظر آنے لگے ہو تُم
یہ کیا فسوں گری سی دکھانے لگے ہو تُم
کیونکر نہ یہ کہوں مری آنکھیں ہیں خوش نصیب
اب پُتلیوں میں آ کے سمانے لگے ہو تُم
دامن چھڑا رہا ہے جنوں دستِ عقل سے
خوابوں سے اب خیال میں آنے لگے ہو تُم
کروٹ بدل رہی ہے مری ہیّتِ شباب
یہ کس طرح نقاب اُٹھانے لگے ہو تُم

اے کاش خوابِ کُنجِ لحد ہو مجھے نصیب
بے خوابیوں کے ناز اٹھانے لگے ہو تُم

کرنا پڑے گا خاک کو اکسیر دیکھ لو
یہ دل لگی نہیں ہے مِٹانے لگے ہو تُم

دُنیا میں سُوئے ظن کی ہوائیں ہیں زور پر
کِس وقت یہ چراغ جلانے لگے ہو تم

دامن بچا رہے ہو کہ رسوائیاں ہوں
بے ہوش کر کے ہوش میں آنے لگے ہو تُم

انجام سوچ لو مرا انجام سوچ لو!
ذرّے کو آفتاب بنانے لگے ہو تُم

بازی گہِ وفا میں ہے رُوحوں کی ہار جیت
کس امتحاں میں جان لڑانے لگے ہو تُم

# نامۂ بے نام

(مشرقی دوشیزہ کا اپنے منگیتر کے نام پہلا خط)

خط یہ لکھتی ہوں کہ جرمِ ناسزا کرتی ہوں میں
ایسی جرأت، اتنی بیباکی؟ یہ کیا کرتی ہوں میں
آئے دن رنگیں لفافے ایک دوشیزہ کے نام
دیکھئے کیا کیا دکھاتا ہے یہ دُنیا کا نظام
غالباً یہ خط تمہی ارسال کرتے ہو مجھے
آشنائے جورِ استقبال کرتے ہو مجھے
غیر سے یہ عزمِ حیرتناک ہو سکتا نہیں
اور پھر یہ جرأت بیباک، ہو سکتا نہیں

سرنگوں ہوتا ہے میری ارجمندی کا غرور
ٹوٹ جاتا ہے حیا کی سربلندی کا غرور
نازِ معصومی کا ہوتا ہے تقاضا بار بار
ان خطوں کو نذرِ آتش کر! یہ کیسا خلفشار؟
میں انھیں لیکن نہ جانے کیوں جلا سکتی نہیں
وجہ دل میں ہے مگر ہونٹوں پہ آ سکتی نہیں
خوف کے میداں میں جرأت کے علَم اٹھتے نہیں
دل کی دھڑکن تیز ہوتی ہے قدم اُٹھتے نہیں
کشمکش بڑھتی ہے اور خاموش ہو جاتی ہوں میں
ہوشمندی میں بھی دُور از ہوش ہو جاتی ہوں میں
میرے کنبے میں ابھی تک ہے قدامت کا نظام
بوڑھی بوڑھی عورتیں لیتی نہیں شوہر کا نام

شام کو عُود اور اگر کمروں میں جلتے ہیں وہی
مائیں ہیں بچّوں کی اور گھونگٹ نکلتے ہیں وہی
جتنے بھی خط آئے ہیں وہ جوں کے توں سربند ہیں
کس طرح دیکھوں مرے جذبات غیر تمند ہیں
ڈر یہ لگتا ہے کہیں چھپ کر نہ عذرا دیکھ لے
شوخ زہرا راز پا جائے ثریّا دیکھ لے
پھبتیاں کس کس کے چنچل شاہدہ جینے نہ دے
ہنس کے یُوں لپٹے کہ اشکِ شرم بھی پینے نہ دے
جس میں یہ نادیدہ نامے ہیں مقفّل ہے وہ بکس
پھر بھی لیکن تھرتھراتا ہے میرے سینے میں عکس
ڈھل چکی شب کی جوانی پڑ چکے پھیکے نجُوم
آ رہی ہے دُور سے رہ رہ کے اک آوازِ بُوم

رات کے دامن میں تاریکی ہے اور کچھ بھی نہیں
موت اور ہستی میں نزدیکی ہے اور کچھ بھی نہیں

خلوتِ ویراں کا ہر سایہ ڈراتا ہے مجھے
ذرّہ ذرّہ خوں چکاں آنکھیں دکھاتا ہے مجھے

شب کا سنّاٹا یہ دیتا ہے صدائیں بار بار
گوشے گوشے میں ہے نگرانوں کا پہرا ہوشیار

جانکنی سی مجھ پہ طاری ہے گھٹا جاتا ہے دَم
مصلحت رَہ رَہ کے ہوتی ہے عناں گیرِ قدم

ہر طرف پُر ہَول خاموشی کی یہ آواز ہے
از زمیں تا آسماں ساری فضا غمّاز ہے

دل میں لیکن ایک مُبہم سے شرارے کا گداز
چھیڑتا ہے سوز کی مضراب سے وحشت کا ساز

یہ شرارہ درد بن بن کر چمکتا ہے کبھی
لہر سی کھا کھا کے سینے میں لپکتا ہے کبھی
دل میں بستا ہے کبھی آنکھوں میں رہتا ہے کبھی
سنسناہٹ بن کے شریانوں میں بہتا ہے کبھی
اُنگلیوں تک گاہے آجاتا ہے بل کھاتا ہُوا
جسم میں ہر خون کے قطرے کو برماتا ہُوا،
آہ شاید یہ وہی شَے ہے اِسے سمجھے خدا
نام بھی لینا ہے دوشیزہ کو جس کا ناروا
جذبۂ غیرت کے شعلے سَرد کر دیتی ہے یہ
عزت و حُرمت کے چہرے زرد کر دیتی ہے یہ
دامنِ عصمت پہ اس کا عکس کہلاتا ہے داغ
روشنی پاتا ہے دل کی گُمرہی سے یہ چراغ

یاد ہے مُجھکو کہ جب ابّا پڑھاتے تھے مجُھے
نکتہ نکتہ علم و دانش کا سکھاتے تھے مجُھے

تھی مگر تاکید امّی کو کہ یہ لکھنے نہ پائے
دیکھنا ایسا نہ ہو یہ خط نویسی سیکھ جائے

میں نے لیکن اُن سے چھپ چھپ کر کتابت سیکھ لی
جس قدر بندش تھی اتنی ہی بعجلت سیکھ لی

اب میں سمجھی ہُوں کہ اس خطرے پہ تھی اُن کی نظر
آہ یہ خطرہ! کہ میں پاتی نہیں جس سے مفر

بات تھی آوازِ بے ہنگام سمجھی تھی جسے
باپ کے دل کا خیالِ خام سمجھی تھی جسے

مجُھ کو گر لکھنا نہ آتا کس طرح ہوتی یہ بات
جس سے لرزاں ہے مری دوشیزگی کی کائنات

آج میری خاندانی آن بھی خطرے میں ہے
مشرقی دوشیزگی کی شان بھی خطرے میں ہے

دل میں آنسو بھی نہیں ہیں چشمِ پُرنم کے لئے
زندگی میں پہلا خط، نادیدہ محرم کے لئے؟

کاش ایسا ہو اُجڑ جائے مری بزمِ دماغ
انگلیاں مفلوج ہوں آنکھوں کے بُجھ جائیں چراغ

کر سکوں اے کاش یہ نامہ نہ میں تم کو رقم
کھُل سکے تُم پر نہ میرے ضبطِ پنہاں کا بھرم

کاش یہ رازِ تمنّا تم تلک جانے نہ پائے
کاش مجھ تک میرے اس خط کا جواب آنے نہ پائے

کیونکہ ہے کھینچے ہوئے تہذیب تلواریں ہنوز
درمیاں دونوں کے ہیں مذہب کی دیواریں ہنوز

# اشکبارِ فراق سے

(ایک نامۂ منظوم)

...ے الم میں نہ ہو اشکبار جانے دے    خزاں قبول نہ کر اے بہار جانے دے!
...رد حسنِ محبت، یہ سرخ دیدۂ شوق    یہ اہتمامِ شبِ انتظار جانے دے!
...باب میں غمِ الفت کو مشغلہ نہ بنا!    غلامئ دلِ بے اختیار جانے دے!
...یا اندھرات کے دامن سے دامنِ فریاد    کرم! کرم! مرے اختر شمار جانے دے!
...اہِ حسنِ طلب کا یقین کیا معنی؟    تصوّرات کا کیا اعتبار جانے دے!
...ی حیا کے تصدّق، تری وفا کے نثار!    لٹا نہ اپنا سکون و قرار جانے دے!
...ئو اگل کے نہ مر جائے عشقِ ضبط پسند    یہ سینہ کوبئ لیل و نہار جانے دے!
...نہ پھینک کاہکشاں پر کمندِ نالۂ غم!    شبِ چمن کو نہ کر سوگوار جانے دے!

نظر فروز جوانی کو پائمال نہ کر! نہ کر بہار میں خونِ بہار جانے دے!
بپا نہ کر دلِ انجم میں فتنۂ محشر! پکار مجھکو نہ دیوانہ وار جانے دے!
یہ کم نہیں ترے دل میں خیال ہے میرا بس اور مجھکو نہ کر شرمسار جانے دے!
مری حیات حزیں میں بشاشتوں کو نہ ڈھو نہ کر تلاش خزاں میں بہار جانے دے!

نہ اس طرح مجھے ممنون کر کہ مر جاؤں!
فقیر پر یہ کرم شہریار جانے دے!

---

# پشیمانی

لقب ہے عشق جس کا روح کی بے اختیاری ہے
جنوں لیکن نہیں چلتا چراغِ عقلِ انسانی
محبّت میں نہ کھا ترکِ محبّت کی قسم ہرگز
کہ اس احساس کی غیرت کا حاصل ہے پشیمانی

# رازِ دلگداز

نالہ و شیون کو محرومِ اثر پاتا ہوں میں
اک تصوّر ہے جسے کچھ چارہ گر پاتا ہوں میں

صرصرِ غم جب اُلٹتی ہے تصوّر کے ورق
بیشتر کھوتا ہوں تجھکو بیشتر پاتا ہوں میں

گرچہ مجھکو تیرے دامن میں نہیں ملتی پناہ
تجھ کو لیکن زیبِ آغوشِ نظر پاتا ہوں میں

رات ہو، دن ہو، گھٹائیں ہوں، خزاں ہو، یا بہار
تیری جانب دل کو مصروفِ سفر پاتا ہوں میں

اس طرح چھینی ہے تو نے راحتِ قلب وجگر
بیکلی کو راحتِ قلب و جگر پاتا ہوں میں

شدّتِ گریہ بصارت کو نہ لے ڈوبے کہیں
اشک میں غلطیدہ انوارِ نظر پاتا ہوں میں

ہائے وہ خلوت وہ دورِ وحوں کی طاعت کا مقام
جلوتِ دیر و حرم سے پاک تر پاتا ہوں میں

تو نہیں ہے جب سے ویراں ہے مری بزمِ نظر
چشمِ تر کو مرقدِ کیفِ نظر پاتا ہوں میں ،

ہے وفا دل کا تقاضا دل کی فطرت اضطراب
احتیاطِ عشق کو ہنگامہ گر پاتا ہوں میں

آہ تو اور حلقۂ سود و زیانِ دو جہاں!
دو جہاں کو حلقۂ بیرونِ در پاتا ہوں میں

مل گیا سب کچھ ترے الطافِ تکمیل سے
سینکڑوں جلوؤں کو فرشِ رہگذر پاتا ہوں میں

ہائے وہ تیرا تصوّر، وہ نمازِ بے سجود،
دیر و کعبہ کو ہجومِ بام و در پاتا ہوں میں

میں ترے قرباں مجھے تو نے کہاں گم کر دیا
خیر اور شر کو یہاں نقصِ نظر پاتا ہوں میں

لے بس اب میرے نظامِ زندگی کو بھی سنبھال
تجھ کو اپنے سے زیادہ معتبر پاتا ہوں میں

کاش ان خوابوں کو ہو خوابِ ابد ہونا نصیب
آنکھ لگتے ہی ترے قدموں پہ سر پاتا ہوں میں

مجھ سے تجھ کو سینکڑوں تجھ سا کہاں مجھ کو نصیب
اپنی خوبی کو ترا حسنِ نظر پاتا ہوں میں

# بیمارِ تصوّر سے

(ایک خط کے جواب میں)

اے مرے غم آشنا ایسا ملال اچھا نہیں!
تیرے نامے سے نمایاں ہے کہ حال اچھا نہیں!
عارضِ پُرنُور پر زلفیں پریشاں کس لئے؟
مطلعِ شادی پہ یہ ابرِ ملال اچھا نہیں!
اور بھی لاکھوں ترانے ہیں جسے چاہے الاپ
نغمۂ اُلفت مرے شیریں مقال اچھا نہیں!
رُخ ہے تیری شادمانی کا تباہی کی طرف
تیرے آغازِ تمنّا کا مآل اچھا نہیں!

کم سوادوں کو نہ دل کے راز سے آگاہ کر
دیکھ! ضبطِ غم کے آئینے میں بال اچھا نہیں!
مشغلے ہیں اور بھی لاکھوں پئے تسکینِ رُوح
دل کی بربادی میں معراجِ کمال اچھا نہیں!
کیوں بھٹکتی ہے تری ہر آرزو میرے لئے
لب پہ خاموشی، نگاہوں میں سوال اچھا نہیں!
آرزو کے سُرخ چھالوں سے ٹپکنے دے لہُو
یہ جراحت وہ ہے جس کا اندمال اچھا نہیں!
جب ہے تُو اِک غیرتِ ناہید و رشکِ ماہتاب
تجھ کو مجھ تاریک اختر کا خیال اچھا نہیں!
عشق کی تمکین اس جھوٹے تبسّم پر نثار
تیرا ہر انداز کہتا ہے کہ حال اچھا نہیں!

# تیرے لئے

(ایک ہوائی مکتوب)

کی ہے خالق نے اگر پیدا وفا تیرے لئے
سہہ رہا ہوں میں بھی گردوں کی جفا تیرے لئے
یہ تری مجبوریوں کی ابتدا میرے سبب
یہ مری بے چینیوں کی انتہا تیرے لئے
میرے باعث تجھ سے گر سارا زمانہ ہے خفا
میں بھی ہوں سارے زمانے سے خفا تیرے لئے
تیرا نظارہ ہے مُجھکو لذّتِ بے معصیت
سامنا میرا نگاہوں کی خطا تیرے لئے

تو اگر ہے اپنے ہمچشموں کی آنکھوں میں سبک
زندگی مجھ پر گراں ہے دلربا تیرے لئے

تو اگر تقسیم کرتی ہے ستاروں کو فغاں
مانگتا ہوں میں بھی رو رو کر دعا تیرے لئے

تو اگر میری غلامی میں ہے آزادی نصیب
میں بھی ہوں فکرِ دو عالم سے رہا تیرے لئے

تھا کبھی زندانِ غم جن کی جدائی کا خیال
آج ہوں اُن ہم جلیسوں سے جدا تیرے لئے

مجھ سے دُنیا نے اگر چھینا تجھے اے خُلدِ ناز
چاک کر ڈالوں گا ہستی کی قبا تیرے لئے

لے رہا ہوں اب دماغ و دل کی ہر قوت سے کام
کر رہا ہوں کوششوں کی انتہا تیرے لئے

تیرا سرا اور میرے قدموں پر ہوائے ماہ مُبیں
پائے خاکی پر نہیں سجدہ روا تیرے لئے
تیرے دل میں ہے، اگر میری جگہ بعد از رسول
میرے دل میں ہے، جگہ پیش از خدا تیرے لئے
اک وفا اور پھر مری تسکین کو عہدِ وفا
ہے ترا احسان اے جانِ وفا تیرے لئے

---

## درسِ وفا

جواب اُس کی خموشی کا خموشی سے نہ دے ہرگز
محبّت ہے تو آئینِ محبّت توڑنا کیوں ہے؟
سِتم مشرب نہیں جب چھوڑتے اپنی ستم کیشی
وفا بنیادو! نو راہِ وفا کو چھوڑنا کیوں ہے؟

# پرستارِ تصویر سے

…ری شبیہ کے جلوؤں پہ جھومنے والی! نقوشِ پیکرِ فانی کو چومنے والی!
…اپنی تازہ جوانی کو سوگوار نہ کر! نہ کر خیال و تصوّر پہ اعتبار نہ کر!
…سکونِ قلب کو تکلیفِ انتظار نہ دے! تڑپ کے روح کو آواز بار بار نہ دے!
…عاں وفا کی امانت ہے، اس کو عام نہ کر! حسین چاندنی راتوں کو تلخ کام نہ کر!
…نہ دے بیان کی رخصت غمِ نہانی کو نہ کر تباہ ستاروں کی زرفشانی کو!
…شبابِ نو کے ترانوں کو رنگِ آہ نہ دے حریمِ عقل میں دیوانگی کو راہ نہ دے
…یہ دل کا راز نہ کر بے حجاب، جانے دے ترا شباب ہے جانِ شباب، جانے دے

نزاکتوں کو نہ مجروح کر خدا کے لئے
نہ بیقرار ہو مفلوک و بے نوا کے لئے

میں ایک صورتِ مدِّ فضول ہستی ہوں
وہ پست تر ہوں کہ پستی میں ننگِ پستی ہوں

مری ہنسی میں چھلکتے ہیں اشکِ عنّابی
مرے سکوں سے اُبلتی ہے جوئے بیتابی

مرے ترانوں کے ہمراہ گرم نالے ہیں
مرے چمن مری آہوں نے پھونک ڈالے ہیں

جہانِ درد ہے آباد میرے پہلو میں
لہو اُمید کا غلطاں ہے میرے آنسو میں

مرے چمن میں خوشی کی کلی نہیں کھلتی
مری حدیثِ الم کو زباں نہیں ملتی

نگارِ کشورِ خوبی ہے تُو میں بے مایہ
ترے جمال کی توہین ہے مرا سایہ

تو عندلیبِ خوش الحان نگار خانے کی
تری بلا کو پڑی مجھ سے دل لگانے کی

میں ننگِ حال ہوں داغِ جبینِ ماضی ہوں
ازل سے درد ملا ہے اسی پہ راضی ہوں

تجھے اس آگ میں جلنے سے فائدہ کیا ہے؟
مثالِ شمع پگھلنے سے فائدہ کیا ہے؟

# "ایسا نہ ہو!"

(ایک مجبورِ محبت کے نام ہوائی پیغام)

رازِ ہو الفت کا رسوا گو بہ گو ایسا نہ ہو!
بہرِ ناموسِ وفا اے ماہرو ایسا نہ ہو!
سوزِ الفت سے تکلم میں نہ آ جائے گداز
میں ترے قربان طرزِ گفتگو ایسا نہ ہو!
میری دانائی تو لغزش کے قدم چھونے لگی
تو کہیں وحشت کو کر دے سرخرو ایسا نہ ہو!
تیری بزم پُرضیا اور میں خدا ایسا کرے
میرے غمخانے کی ظلمت اور تُو ایسا نہ ہو!

کربِ دُوری سے بجھے کُنجِ لحد منظور ہے
لائے مجھ تک تجھ کو ذوقِ جستجو ایسا نہ ہو!

کیا بس اب میری محبّت ہی رہے کی شغلِ زیست؟
یہ نہ ہو! دیکھ اے عروسِ رنگ و بُو ایسا نہ ہو!

نُطق کے دھارے میں بہ جائیں نہ نالوں کے صدف
ضبط کے گوہر ہوں یوں بے آبرو ایسا نہ ہو!

کھُل نہ جائے اضطرابِ شوق میں بندِ نقاب
کام کر جائے جنونِ طرفہ خُو، ایسا نہ ہو!

فرض ہے رازِ محبّت کا چھپانا فرض ہے
لب پہ آجائے حدیثِ آرزُو ایسا نہ ہو!

میرے غم خانے میں روشن ہو تری شمعِ جمال
اس قدر احسان پر مائل ہو تُو ایسا نہ ہو!

# ترے بغیر

(وادیٔ کشمیر سے ایک مکتوب)

بیکل ہوں اے انیسِ دل وجاں ترے بغیر
ممکن نہیں ہے درد کا درماں ترے بغیر

خالی ہے چشمِ شوق کا داماں ترے بغیر
اُجڑا ہوا ہے رُوح کا بُستاں ترے بغیر

آتشکدہ ہے دیدۂ احسانؔ کے لئے
کشمیر کی بہارِ درخشاں ترے بغیر

ہر شاخ پر کمانِ شکستہ کا ہے گمُاں
ہر اک کلی ہے شعلۂ عُریاں ترے بغیر

سر دُھن رہا ہے کرب سے ہر سرو پا بہ گِل
بزمِ چمن ہے بزمِ شہیداں ترے بغیر

خارِ نگاہِ شوق ہے ڈلؔ کی ہر ایک موج
دودِ جگر ہے ابرِ بہاراں ترے بغیر

ویرانیوں کی جان ہیں بربادیوں کی رُوح
گلمرگؔ کے حسین شبستاں ترے بغیر

باغِ نسیم، چشمۂ شاہی، نشاط باغ
ذوقِ طلب ہے سب سے گریزاں ترے بغیر

افسُردہ پا ہیں ساغرِ زرّیں کی گردشیں،
گُم ہے فسونِ بادہ فروشاں ترے بغیر

تخلیقِ شعر ذہن میں شل ہو کے رہ گئی
بارِ سکوں ہے بزمِ ادیباں ترے بغیر

---

ڈلؔ کشمیر کی مشہور جھیل۔ گلمرگ، باغ نسیم، چشمہ شاہی، نشاط باغ وغیرہ کشمیر کی سیرگاہیں ہیں۔

بزمِ نظر میں ہے مری بے نور و بے ضیا
ہر ماہ رُو کا عارضِ تاباں ترے بغیر

سینے سے رُوح دیدۂ پُرنم میں آچکی
بُجھنے کو ہے چراغِ دل و جاں ترے بغیر

اب کیا عجب ہے رشتۂ ہستی بھی ٹوٹ جائے
عالم ہے ایک خوابِ پریشاں ترے بغیر

مرقد کی سمت مُڑ بھی چکی ہے عنانِ وقت
بھٹکی ہوئی ہے عُمرِ گریزاں ترے بغیر

ہر ولولے کا دَم ہے لبوں پر خدا گواہ
سینہ بنا ہے شہرِ خموشاں ترے بغیر

کھولی تھی آنکھ جس کے بھروسے پہ عشق نے
کجلا گئی وہ شمعِ فروزاں ترے بغیر

اب ہے طلسمِ حسن و وفا مائلِ شکست
خوں رو رہا ہے عشقِ پشیماں ترے بغیر
اے خالقِ نیاز تجھے اس کی کیا خبر!
ایمان ہی نہیں مرا ایماں ترے بغیر
محسوس کر رہا ہوں جہنّم ہے یہ بہشت
جینا محال ہے ترے قرباں ترے بغیر

## رودادِ حیات

دَورِ ماضی کی بے رُخی سے ملُول
حال کے جوَر سے پریشاں ہُوں
بُجھ نہ جائے چراغِ مستقبل
چشمِ پُرنم ہوں غم بداماں ہوں

# چلی بھی آ!

مجھے یوں نہ داغِ فراق دے مری غمگسار چلی بھی آ
مرے بیقرار جہان میں نہیں اب قرار چلی بھی آ
مجھے اختیار یہ اب نہیں رہا اختیار چلی بھی آ
مری شامِ غم میں لئے ہوئے رُخِ تابدار چلی بھی آ
سہے تا بہ کے کوئی مُنتظر غمِ انتظار چلی بھی آ
مجھے یوں نہ داغِ فراق دے مری غمگسار چلی بھی آ

ترے نُور سے ہے ضیافشاں دلِ آفتاب دُرست ہے
تری آب و تاب سے دو جہاں میں آب و تاب دُرست ہے
تو وہ لاجوابِ جمال ہے کہ نہیں جواب دُرست ہے

مگر اے حریم نشیں کبھی سرِ رہگذار چلی بھی آ
مجھے یوں نہ داغِ فراق دے مری غمگسار چلی بھی آ

مری چشمِ گریہ نصیب سے ہے لہو رواں تو ہوا کرے
مجھے ضبطِ شوق سے زندگی ہے وبالِ جاں تو ہوا کرے
مرا جلوہ زارِ امید اگر ہے دھواں دھواں تو ہوا کرے
یونہی جل بجھے گا تو جل بجھے دلِ داغدار چلی بھی آ
مجھے یوں نہ داغِ فراق دے مری غمگسار چلی بھی آ

ترا سوزِ غم بھی ہے زندگی ترے سوزِ غم کی قسم مجھے
ترا ہر ستم ہے نشاطِ جاں ترے ہر ستم کی قسم مجھے
وہ قسم جو ضامنِ شوق تھی ہے اسی قسم کی قسم مجھے
کہ محیط ہے مری روح پر غمِ روزگار چلی بھی آ
مجھے یوں نہ داغِ فراق دے مری غمگسار چلی بھی آ

نہیں تجھ میں خوئے وفا نہ ہو یہ مری وفا کو قبول ہے
جو تڑپ ہے حاصلِ مدّعا مرے مدّعا کو قبول ہے
یہ فغاں طرازیٔ ابتدا مری انتہا کو قبول ہے
شب و روز تیری بلا سے میں رہوں سوگوار چلی بھی آ
مجھے یوں نہ داغِ فراق دے، مری غمگسار چلی بھی آ

یہ الم بھی تیری ہی دین ہے مگر اس میں کیفِ الم نہیں
مجھے غم نصیب تو ہے مگر مرے غم میں لذّتِ غم نہیں
میں کروں وفورِ ستم کو کیا جو ستم میں لطفِ ستم نہیں
بس اب انتہا کی تزار ہے مری جانِ زار چلی بھی آ
مجھے یوں نہ داغِ فراق دے، مری غمگسار چلی بھی آ

کیا تجھ سے شکوۂ بے رُخی مری آرزو کی خطا ہے یہ
تجھے لاجواب بنا دیا، مری گفتگو کی خطا ہے یہ

تجھے خود سے دور سمجھ لیا مری جستجو کی خطا ہے یہ
تجھے پاؤں پڑ کے مناؤں گا ذرا ایک بار چلی بھی آ
مجھے یوں نہ داغِ فراق دے مری غمگسار چلی بھی آ

## رمز

سجدہ کسی کو چاہئے بُت نہ سہی خدا سہی
مقصدِ جاں ہے اضطراب نغمہ نہیں بُکا سہی
عشق کے ہر نفس سے ہے حسُن کی روح آشنا
ربطِ دل سے ہے ایک ہی تار جدا جدا سہی

# انتسابِ حیات

اے عروسِ شعر و نغمہ! اے نگارِ دلنواز!
بے نیازی اور اپنے بندۂ بے دام سے؟

میں سراسر نامرادی کا مرقّع ہی سہی
دب سکا لیکن نہ اب تک گردشِ ایّام سے

ظلمتِ غم میرا مشرق ہے مگر اے مہرِ ناز
ایک دن پھوٹیں گی کرنیں مطلعِ انجام سے

آندھیوں سے میری شمعیں جھلملا سکتی نہیں
روشنی کھینچی ہے میں نے ظلمتِ آلام سے

میں نے انگاروں کی چادر سے نچوڑی ہے شراب
میری ہستی بے تعلّق ہے مئے گلفام سے

مدّتوں سے ہوں مزاجِ آب و گل سے آشنا
میں کبھی اُلجھا نہیں خار و خسِ اوہام سے

میرے شہ پاروں کی کھائیں گے قسم اہلِ کمال
میں نے سیّارے تراشے ہیں چراغِ شام سے

گر قبول افتد زہے عز و شرف اے جانِ شوق
میں معنون زندگی کرتا ہوں تیرے نام سے

# ہجومِ خیال

# شاعر کا مسلک

لہو میں ہے مری اُمیّد کے گرمی جہنّم کی
میں آزادی کا حامی خلفشارِ بیم کیا جانوں؟
مرا مذہب محبّت، مشغلہ میرا فنکاری
میں الہامِ جنون و شوق میں ترمیم کیا جانوں؟
مرے سجدے بہشتوں کی حدوں سے بچ کے رہتے ہیں
بھلا میں تاجرانہ طاعت و تعظیم کیا جانوں؟
مجھے شمس و قمر دیتے ہیں درسِ رازِ تابانی،
میں یہ لفظوں میں کفنائی ہوئی تعلیم کیا جانوں؟

مِرے معیارِ انسانی پہ سَر دُھنتے ہیں سیّارے
میں یہ دیر و حرم کی ناروا تقسیم کیا جانوں؟
جنوں پڑھوا رہا ہے مجھ سے کتبے آسمانوں کے
میں اوچھی عقل کی گمراہ کُن تعلیم کیا جانوں؟
مِری ہر سانس میں صُورت گری کروٹ بدلتی ہے
مِری تخئیل الہامات کے سانچوں میں ڈھلتی ہے

## معروضِ مختصر

بیتیا بیوں سے شمعِ بصارت ہے نیمجاں،
تسکینِ دل کو دُوں کہ سنبھالوں جگر کو میں
تُم اپنے ساتھ رونقِ کاشانہ لے گئے
روتا ہوں دیکھ دیکھ کے دیوار و در کو میں

# فریبِ دوستی

(ایک ریاکارانہ تواضع پر)

یہ لفظ "دوستی" ایجاد ہے مطلب کے بندوں کی
وفا کے "قاتلوں کی" تن کے اُجلے من کے گندوں کی

اسے سُن کر مرے معصوم جذبے کانپ جاتے ہیں
میں جن کو بھول جانا چاہتا ہوں یاد آتے ہیں

شرافت جب یقیں کرتی ہے اس کی خیرخواہی کا
ذریعہ بن کے رہتا ہے یہ انساں کی تباہی کا

یہ ہے وہ لفظ جو شرمندۂ معنی نہیں ہوتا
یہ سب کچھ ہے بظاہر اصل میں کچھ بھی نہیں ہوتا

جو سچ پوچھو تو یہ عنوانِ رنگیں ہے عداوت کا
کہ اس پردے میں اکثر خون ہوتا ہے شرافت کا

جو میرا بس چلے تو دوستی کو جرم ٹھہرا دوں
ملیں پرچم کُشا اس کے تو دیواروں میں چنوا دوں

لُغت سے چھیل ڈالوں اور زبانوں پر نہ آنے دوں
دماغوں تک یہ زہریلا دُھواں ہرگز نہ جانے دوں

فریبِ دوستی اے یارِ مطلب دوست رہنے دے!
تھپیڑے بیکسی کے میں اگر سہتا ہوں سہنے دے!

یہ اظہارِ سخا خلق و مروّت میں نہیں آتا
میں ہرگز اس ترے رعبِ امارت میں نہیں آتا

جو ظاہر دار ہے وہ مردِ کامل ہو نہیں سکتا
تو شاعر کی طرح اک صاحبِ دل ہو نہیں سکتا

نتیجہ میں نے تیری دوستی سے یہ نکالا ہے
ہے دشمن آج دشمن اور تو کل ہونے والا ہے
بناوٹ کی بناوٹ دل کی قیمت دل سمجھتا ہوں
جو جس قابل ہے میں اُس کو اُسی قابل سمجھتا ہوں
زر و گوہر کی ضو پر روحِ شاعر جھک نہیں سکتی
یہ کشتی ان شکستہ لنگروں سے رک نہیں سکتی

## خام خیالی

اک ستارے تک نہ رکھ ذوقِ نظر کا انحصار
آسماں پرواز اونچی جستجو کرتا نہیں
حُسن سے کیا واسطہ محدود ہو یا بیکراں
عشق لا محدود ہو سکتا ہے! تو کرتا نہیں!

# درسِ عبرت

جب موت کے بازو بالیں پر بیمار کو پنکھا جھلتے ہیں
ہر خندہ جبیں کی آنکھوں سے عبرت کے اشک نکلتے ہیں

یہ وقت وہ ہے ہر بزم نشیں محرومِ رفاقت ہوتا ہے
اس راہ میں چلنے رہرو ہیں سب تنہا تنہا چلتے ہیں

جس وقت یقیں ہو جاتا ہے انساں کو جہاں سے رحلت کا
ایمان چمکنے لگتا ہے تکفیر کے پردے جلتے ہیں

جب بند زباں ہو جاتی ہے کہتے ہیں یہ تیور رہ رہ کر
اے دنیا والو، شاد رہو، آباد رہو، ہم چلتے ہیں

احسانؔ وہ اشکوں سے دھل کر دہلیزِ حرم بن جاتا ہے
جس دل میں جوانی کے بل پر مذموم ارادے پلتے ہیں

# ایک امیر زادے سے

میری عسرت کو حقارت کی نگاہوں سے نہ دیکھ
اپنی خودداری کو کب پستی میں لا سکتا ہوں میں
بن نہیں سکتی مری کوئی ضرورت التجا
اپنے بل بوتے پہ کوہِ غم اٹھا سکتا ہوں میں
قالبِ الفاظ میں ڈھلتا نہیں میرا سوال
آن پر شانِ دو عالم کو لٹا سکتا ہوں میں
آ نہیں سکتا مرے لہجے میں حسرت کا اثر
نالۂ شبگیر کو نغمہ بنا سکتا ہوں میں

میرے ہر ذرّے میں پوشیدہ ہے روحِ آفتاب
اپنے ہر آنسو سے اک طوفاں اُٹھا سکتا ہوں میں

داستانِ غم کو میں دیتا ہوں عنوانِ نشاط
موت پر مُہرِ حیاتِ نوَ لگا سکتا ہوں میں

کھُل نہیں سکتی مرے ایمان میں فاقوں سے درز
ضعف پر رنگِ توانائی چڑھا سکتا ہوں میں

میرے دل کا راز میری آنکھ کہہ سکتی نہیں
تلخیٔ دوراں کو شیریں تر بنا سکتا ہوں میں

ہے مری پرواز زہریلی ہواؤں میں مگر
گردشِ افلاک کا خاکہ اُڑا سکتا ہوں میں

میری ناداری مجھے مغموم کر سکتی نہیں
ہر پریشانی کو آئینہ دکھا سکتا ہوں میں

وضعداری میرے غیرتمند اشکوں کی نہ پوچھ
موت سے پنجہ ملا کر مُسکرا سکتا ہوں میں
ضبطِ غم، ضبطِ فغاں، ضبطِ تمنّا، ضبطِ اشک
الغرض ان مورچوں پر فتح پا سکتا ہوں میں

# خطاب بہ مطربہ

اُنگلیاں ہیں یا گلابی بجلیوں کی تیلیاں
نغمہ ایجادی سے ان کی ساز زندہ ہو نہ جائے
یہ تَہاوٹ، یہ گھٹا، یہ سَرد جھونکے مَست لَے
بُوندیوں میں بھیگ کر آواز زندہ ہو نہ جائے

# "کوششِ رنگیں"

میں گریۂ پیہم میں اثر ڈھونڈ رہا ہوں،
موجوں کے تلاطم میں شرر ڈھونڈ رہا ہوں

ہر رگ میں ہے اک محشرِ تحقیق کا عالم
عالم میں کسے شام و سحر ڈھونڈ رہا ہوں

گو شیخ و برہمن بھی ہیں حیران و پریشاں
میں ہوں کہ باندازِ دگر ڈھونڈ رہا ہوں

لے لے کے دُعاؤں کی لرزتی ہوئی شمعیں
دُنیا کے حوادث کی سپر ڈھونڈ رہا ہوں

احباب سے اپنے مجھے امیدِ وفا ہے
تلوار کی فطرت میں سپر ڈھونڈ رہا ہوں
نغمات کی لہروں میں تخیّل کی نظر سے
لطفِ تپشِ سوزِ جگر ڈھونڈ رہا ہوں
اے رات کے تابندہ ستاروں کی نگاہو!
شامِ غمِ ہستی کی سحر ڈھونڈ رہا ہوں
ہے جس کے لئے زینتِ اقطاعِ دوعالم
میں مقصدِ تخلیقِ بشر ڈھونڈ رہا ہوں
کل تک تھی نگاہوں کو تجلّی سے تسلّی
اب مطلعِ انوارِ نظر ڈھونڈ رہا ہوں
پھیلا ہے درِ حُسن پہ دامانِ تمنّا
شعلوں میں بہارِ گُلِ تر ڈھونڈ رہا ہوں

احساں مری کوششِ رنگیں کوئی دیکھے
قطرات کے سینوں میں گہر ڈھونڈ رہا ہوں

# جمالِ ماضی

تھا اوج پر کبھی اپنا بھی اخترِ تقدیر
اک آفتاب کو زیبِ کنار دیکھا تھا
تھی میرے ساتھ وہ روحِ نشاط و جانِ شباب
چمن کی خاک نے خوابِ بہار دیکھا تھا

# خواب!

یہ میں نے پچھلے پہر شب کو خواب میں دیکھا
کہ جا رہے ہیں کہیں حشر[1] اور میں ہمدوش
طلسمِ ذہن کی حشر آفرینیاں معدوم
فسونِ نطق کی ہنگامہ خیزیاں خاموش
ہر ایک موجِ نظر میں شکستِ خودبینی
ہر ایک جنبشِ لب میں نہاں فغانِ خموش
زباں پہ شکوۂ ناقدردانیٔ احباب
نہ فکرِ شعر نہ ذکرِ شرارِ مینا پوش

[1] آغا حشر کاشمیری مرحوم

ٹپک رہی ہے جبیں سے بشاشتوں کے عوض
جفائے صاحبِ توفیق وغفلتِ ذی ہوش
کہاں کی بزم تصوّر سے ہو چکے معزول
وہ ساقیانِ سمن ساق و بادۂ سر جوش
نہیں ہیں آج تمنّا کے شمع زاروں میں
نشاطِ محفلِ احباب وجنّتِ آغوش،
بُجھا دیئے ہیں لحد کی سیاہ راتوں نے
مغنّیانِ سمن بر، ربابِ نغمہ فروش،
برس رہا ہے نگاہوں سے رنجِ تنہائی
لبِ خموش میں لرزاں ہے نالۂ خاموش
دبی زباں سے بصد لُطف یوں ہوا ارشاد
"کہ اے اسیرِ غم و رنج و نالہ و فریاد

جہاں کو چھوڑ! یہاں بے ثبات ہے ہر شے
یہ انجمن ہے حقیقی حیات سے محروم
یہ سب بجا کہ تری شاعری ہے نقشِ دوام
ترے کلام میں رازِ حیات ہیں منظوم
ترے تخاطبِ رنگیں میں شوکتِ جبریل
جبینِ شمس و قمر پہ تری نوا مرقوم
ترے قلم کی زباں پر ہے داستانِ ازل
بلند تر ہے ترے ہر خیال کا مفہوم
مگر یہ خواب نہیں اعتبار کے قابل
ہیں اس کے ناز و نعم کی حقیقتیں موہوم
اگرچہ بزمِ جہاں سے ہے متصل یہ مقام
مگر نہیں ہے یہاں کبر و خودسری مقسوم

یہاں ہر ایک نفس ہے لطیف اور جاوید
وہاں کے عشق و محبّت ہیں راستی معلوم
وہاں تو دوست لقب ہے عدوئے ایمان کل
یہاں وفا و محبّت ہیں لازم و ملزوم
وہاں کے حسن کی تعریف معصیت کوشی
یہاں نگاہ میں انجم کا جلوۂ معصوم
وہاں کے عیش پہ افسوس کر رہا ہوں میں
جنونِ عشق کی کرنی کو بھر رہا ہوں میں
نہیں تو غرق ابھی عشرتوں میں تا بہ خرد
ابھی ہے روح تری ایک جوہرِ نایاب
ابھی نہیں ہے ارادوں میں روح کی تخریب
ابھی ہیں حسرت و ارماں میں اَوج کے اسباب

ابھی جنوں ہے مقدّس ابھی ہے پاک نظر
ابھی ہے عرش کی چوٹی پہ دیدۂ بے خواب
ابھی جمالِ کواکب سے اشک روشن ہیں
ابھی جبیں پہ جھلکتی ہے عصمتِ مہتاب
ابھی شباب کے تیور ہیں برق در دامن
ابھی ہے شوق بلندی میں فطرتِ سیماب
ابھی نہیں تری مشکل کو جستجوئے کلید
ابھی ہیں بند تمنّا پہ عجز کے ابواب
ابھی ہے داغِ سجودِ ریا سے پاک جبیں
ابھی ہے حسن کا خمیازہ روششِ محراب
ہے گفتگو میں ابھی آنچ سوزِ اُلفت کی
نہیں ہے برلبِ ایماں بھی ثنا کی مضراب

ابھی عزیز ہیں پوشش کو پارہ ہائے گلیم
ابھی ہے ٹاٹ کے بستر میں لذّتِ کمخواب
نکل کے محبسِ دُنیا سے شادماں ہو جا!
یہی ہے وقت کہ آ اور جاوداں ہو جا!
اگر یہی ہے الٰہی مآلِ عشرتِ دہر
تو دے مرے دلِ محزوں کو قوّتِ پرہیز
مجھے قبول ہے آنکھوں سے خون کی برسات
مگر نہ چھیڑے نہ کوئی صورتِ جنوں انگیز
مری نظر کو نوازے نہ شمعِ بزمِ طرب
مرے خیال کو چھیڑے نہ شوق کی مہمیز
میں اپنے خونِ سماعت پہ صبر کر لوں گا
نہ آئے کوئی نوائے لبِ شکر آمیز

مرے قدم پہ نہ اورنگ ٹکٹکی باندھے
مری جبیں پہ نہ للچائے طُرّۂ پرویز
مٹا سکے نہ خلش کو مری ترانۂ حُسن
نہ دے سکے مجھے جُل کوئی فتنۂ نوخیز
فریبِ زر ہیں نہ آجائے مفلسی میری
نہ چھائے میری قناعت پہ شوکتِ چنگیز
مرے سکوں کو پپیہا نہ دے سکے آواز
مرے جنوں کو نہ بھڑکائے موسمِ گل بیز
مری خرد کو عطا کر حیات کی تحقیق
مرے شعور کو دے شوقِ بادۂ تبریز
مجھے حیاتِ دو روزہ میں شاد کام نہ کر!
نہ کر مرے لئے راحت کا اہتمام نہ کر!

# بے ثباتی

اس شعبدہ زارِ عالم میں کیا کھیل دکھایا جاتا ہے
ہنس ہنس کے رُلانے والوں کو رو رو کے ہنسایا جاتا ہے

یہ تاج طلائی رنگ محل پیوندِ زمیں ہو جائیں گے
احساس کو جھوٹی جنّت کا اک خواب دکھایا جاتا ہے

ہشیار چمن کے سودائی کلیوں کی سرشتِ رنگیں سے
ہر گل پہ فریبِ شبنم کا اک جال بچھایا جاتا ہے

ہمدرد سراپا دھوکا ہیں سب اپنی غرض کے بندے ہیں
ہر شے کو یہاں رفعت دے کر نظروں سے گرایا جاتا ہے

گلشن میں بہار و فصلِ خزاں دریا میں حباب و موج رواں
کمبخت تجھے انجامِ جہاں ہر شے میں دکھایا جاتا ہے

حسرت کی گھٹا چھا جاتی ہے اُمّید کی روشن دنیا پر
پردے کو طلسمِ ہستی سے جس وقت اُٹھایا جاتا ہے

کثرت نے حقیقی جلوؤں پر سو رنگ کے پردے ڈالے ہیں
مقصود چھپایا جاتا ہے معکوس دکھایا جاتا ہے

رحمت کی گھٹا چھا جاتی ہے بندے کی نیاز آگینی پر
جس وقت سرِ پُر نخوت کو سجدے میں جُھکایا جاتا ہے

گھڑیال، گجر، ناقوس، اذاں، بے وجہ نہیں معمورِ فغاں
ہر وقت تجھے بیداری کا پیغام سُنایا جاتا ہے

احسان کلیجہ پھٹتا ہے احباب کی اس بیدردی پر
کاندھے پہ جسے لے جاتے ہیں مٹّی میں دبایا جاتا ہے

# دشمن سے

اے عدو، اے کم نظر، اے تنگدل، اے فتنہ خُو!
شرم آتی ہے مجھے ہوتا ہے جب تو رُوبرو!
میں تو سمجھا تھا کہ تیری دشمنی لائے گی رنگ
میرے عیبوں سے رہیگی تیری تدبیروں میں جنگ
پُختگی تیری جُھکا دے گی مری خامی کا سر
پائے بوسِ کامرانی ہوگا ناکامی کا سر
میرے خوابوں کو ملے گی تجھ سے بیداری کی راہ
ہوشیاری سے اُٹھائے گی قدم میری نگاہ

میری محرومی کو تنقیدوں کا طوفاں آئے گا
مجھ پہ اپنے خوابِ باطل کا بھرم کھل جائے گا
لیکن اُف فطرت تری اس وصف کی حامل نہیں
دشمنِ احساں کہلائے تو اس قابل نہیں
میں تو سمجھا تھا تری کوشش تری محکوم ہے
اب کھلا عقدہ کہ اس جوہر سے تو محروم ہے
ننگ تو اپنے وجود و زندگی کے واسطے
اور مجھے درکار انساں دشمنی کے واسطے
شرم کر بے شرم کیا آتی نہیں تجھکو حیا!
تیرا ہر اک فرض میرے دوست کرتے ہیں ادا!

# "میرے لئے"

ہمنشیں مجھ کو سکونِ مستقل حاصل کہاں؟
جانکنی سے بڑھ کے ہے یادِ وطن میرے لئے

چشمِ نرگس کو تحیّر ہے لبِ گُل پر سکوت
مُسکرا کر رہ گئی صبحِ چمن میرے لئے

آہ یہ بیمار راتیں، آہ یہ مغموم دن
خُلد سے بہتر تھا زندانِ وطن میرے لئے

نیم کی ٹھنڈی ہوا، تاروں کی ضَو حُسنِ بہار
کیا نہ تھا گردوں ستے تا صحنِ چمن میرے لئے

ہائے وہ واحدؔ کی باتیں ہائے وہ اخترؔ کا خلق
مل گئے مٹّی میں یارانِ وطن میرے لئے

ہائے وہ تازہ سحر، سبزہ پہ باسی چاندنی
خواب ہے وہ انجمن کی انجمن میرے لئے

اُٹھ گیا پہلو سے اک دیوانۂ رنگیں مزاج
آہ بھر کر رہ گئی شامِ وطن میرے لئے

خاک پر آنسو تھے میرے چرخ پر رنگِ شفق
رہ گئے کھل کر لبِ نہرِ جمنؔ میرے لئے

شام کو پنگھٹ پہ الھڑ حُسن کی رعنائیاں
آج تک ہیں اک چراغِ روح و تن میرے لئے

ہائے وہ چھتّوں کے سائے میں کسی کا انتظار
ہائے وہ گلیوں کا سادہ بانکپن میرے لئے

ا و ۲ ؎ واحد حسن اور سید احسن اختر مرحوم میرے ہم وطن دوست تھے ۳ ؎ میرے وطن قصبہ کاندھلہ سے مشرق کی جانب
سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک نہر ہے۔ احسان دانش،

سردیوں کی چاندنی راتوں میں سوُنی کھڑکیاں
اور پھر بیتاب اک سیمیں بدن میرے لئے

کیا خبر احسانؔ اُس جانِ وفا کو کیا خبر؟
ننگِ ہستی ہے کوئی ننگِ وطن میرے لئے

# اثراتِ فراق

محرومِ محبّت کیا جانیں اسرارِ محبّت والوں کے
یہ فہم کے بس کی بات نہیں یہ چارہ گری کا کام نہیں

وہ روٹھ گئی ہے جس دن سے کچھ ایسا عالم طاری ہے
تکلیف کہو تکلیف نہیں آرام کہو آرام نہیں

# "ایک مکتوب کا جواب"

بتاؤں تجھے کیا گذرتی ہے کیونکر!
کہوں کیا ہے کیا زندگی کا قرینہ
تو سمجھے گا کیا قیمت و قدرِ شاعر
محبّت کو جانے گا کیا بغض و کینہ؟
تری آنکھ کو جستجو سیم و زر کی
ترا سینہ حرص و ہوا کا خزینہ!
مرا دین و ایماں محبّت کی پُوجا
مرے مذہبِ پاک سے دُور کینہ

مِرا ضبط الماس اُلفت کی معدن
خموشی مِری زمزموں کا دفینہ
مِری شب کے عارض پہ نورِ مسرّت
مِرے دن کے ماتھے پہ پکتا پسینہ
مِری صُبح باغوں کے معصوم جلوے
مِری شام راویؔ[1] میں رنگیں سفینہ
چھما چھم برستے ہیں پلکوں سے آنسو
جھما جھم ہے نورِ محبّت سے سینہ
مِرا پائے ہمّت ہے دوشِ الم پر
مِرے سامنے ہے مسرّت کا زینہ
ودیعت ہوئی ہے مجھے سخت جانی
ہے نازک مگر رُوح کا آبگینہ

[1] لاہور کے قریب ایک دریا۔

# غمِ فاطمہؔ[1]

نیستی ہستیٔ انسان کا انجام نہیں
شاید اس صبحِ کشاکش کی کوئی شام نہیں

فاطمہ! جب سے کیا تو نے جہاں سے پردہ
دل کو تسکین نہیں روح کو آرام نہیں

تیری تصویر ہے ایوانِ تصوّر کی بہار
گرچہ الفاظ کی صورت میں ترا نام نہیں

تیرے معصوم یتیموں کا محافظ ہے خدا
خالی حکمت سے مشیّت کا کوئی کام نہیں

---

[1] کنیز فاطمہ میری ایک مُنہ بولی بہن تھی جو ۱۶ ستمبر ۱۹۳۸ء کو راہئ عدم ہوئی۔ سوگوار احسان

تیری اُلفت کا ہوں قائل مرے خوابوں میں نہ آ
جانتا ہوں تری تعمیرِ وفا خام نہیں!

غم نہ کھا اور بس اب مُجھکو مرے حال پہ چھوڑ!
کیوں تجھے گوشۂ تربت میں بھی آرام نہیں

ہر نفس مُجھ کو تری سمت لئے آتا ہے!
جاودانی یہ قفس خانۂ اجسام نہیں!

ایک محور پہ نظامِ سحر و شام تو ہے
ایک مضمونِ حدیثِ سحر و شام نہیں!

میری راتوں کے یقیں میں نہیں انوارِ سحر
میری صُبحوں کے تصوّر میں کبھی شام نہیں!

خواہشِ مرگِ جوانی میں جئے جاتا ہوں،
زندگی زہر ہے مجبور پئے جاتا ہوں!

# خندۂ غرور

ایک دفعہ لائل پور کے ایک مشاعرہ میں چلنے کے لئے چند دوستوں میں
فیصلہ ہوا کہ گاڑی کے وقت سب اسٹیشن پہنچ جائیں۔ سردی کا موسم تھا اور
میں اپنا ایک پرانا چسٹر پہنے ہوئے جب اسٹیشن پہنچا تو میرے ایک سوٹ پوش
دوست نے جو میری لاہور کی زندگی کے ہر دور سے واقف تھا میرے
لباس پر ایک تحقیری قہقہہ لگایا۔ میں تو پی کر رہ گیا مگر میرا احساس کوشش
کے باوجود اس واقعہ کو نظر انداز نہ کر سکا۔ احسانؔ

ہنستا ہے دیکھ کے انورؔ مرا بوسیدہ لباس
آنکھ میں نشۂ دولت ہے جبیں کبر فروش

اُس سے جا کر کوئی کہدے کہ رعونت کے غلام
ہے تری محفلِ انجام میں ذلّت کا خروش
اپنے دیباچۂ تہذیب پہ ڈال ایک نظر
جب ترے نُطق کی دُنیا تھی تہید ست وخموش
تیرے آسودہ شب و روز کا انجام خمول
میری ہر ساعتِ مغموم ہے تاریخ بدوش
ہے خموشی میں تری بغض، تکلّم میں حسد
خاکساری سے لیا لب مرا پیمانۂ ہوش
تیرے گھر تک ہے تری موجِ تبسّم سے ضیا
آشنا عالمِ بالا سے مری آہِ خموش
ہے تری انجمنِ عیش میں تو سیعِ گناہ
میری "تعمیرِ ادب" [5] سلسلۂ بزمِ سروش

[5] انجمن تعمیر ادب سے مُراد ہے۔　احسان

تیری نفرت کا یہ باعث، کہ میں بے مال ومنال
مُجھ کو یہ ناز، ہیں دولت کا نہیں حلقہ بگوش!
میرے غم خانے کے ذرّے بھی ہیں افسانہ بلب
ترے عشرتکدۂ ناز کا طوطی بھی خموش
بے خبر! یہ تری بے وقت ہنسی خوب نہیں
ایسی باتیں مِرے اللہ کو مرغوب نہیں
دستِ قدرت میں ہے پستی وبلندی کا نظام
مفلسی مُجھ کو عطا کی تو شکایت کیا ہے؟
لیکن اے وادیِ زرّیں میں بھٹکنے والے
آ بتاؤں تجھے عالم کی حقیقت کیا ہے
آتی جاتی ہیں گلستاں میں بہاریں کیونکر
نُورِ خورشید کا پھُولوں کی لطافت کیا ہے

خون سے کس کے رنگے جاتے ہیں اوراقِ شفق
جلوے کس کام پہ مامور ہیں ظلمت کیا ہے
کور باطن یہ مرے دیدۂ پُرنم سے سمجھ
دوستی چیز ہے کیا چشمِ مروّت کیا ہے
آ تجھے اس کے معمّے سے بھی آگاہ کروں
تو جو دولت پہ مِٹا جاتا ہے دولت کیا ہے
آ میں سمجھاؤں کہ خرمن میں کشش کیا معنی؟
آ بتاؤں میں تجھے برق کی علّت کیا ہے
آ اُٹھا دوں ترے ظلمتکدۂ دل سے نقاب
آ دکھا دوں تجھے انجامِ مسرّت کیا ہے
پھٹ نہ جائے جو کلیجا تو بتا دوں تجھکو
خصلتِ عشق ہے کیا، حُسن کی فطرت کیا ہے

معصیت کوش جوانی پہ تنا پھرتا ہے
خون کے جوش میں حیوان بنا پھرتا ہے

# فقدانِ دوستی

سُنتا ہوں اس جہاں میں ملتے ہیں دوست اب بھی
لیکن یہ شاید اپنی تقدیر ہی نہیں ہے
میرا یہ تجربہ ہے تحصیلِ دوستی میں
اس خوابِ خوشنما کی تعبیر ہی نہیں ہے

# ایک دوست پیشہ سے

دے کے جُل شاعرِ فطرت کو ہے روپوش عبث
چند سکّوں میں تو مہنگی نہیں فرقت تیری
اس کی کیا فکر کہ تو محفلِ عشرت میں نہیں
فکر تو یہ ہے کہ ارزاں ہے رفاقت تیری!
لیکن اے جادۂ تزویر پہ چلنے والے
تا بہ کے خود کو چھپائے گی دناءت تیری!
چشم و گوش و لب و رخسار ہیں جاسوس ترے
تیری ہر جنبشِ مژگاں ہے حکایت تیری!
خود کو خود دیکھ زمانے کی خموشی پہ نہ جا
تیرے سائے میں کھڑی ہنستی ہے سیرت تیری!

# ایک ٹھیکیدار سے

زر کے بل بوتے پہ مزدوروں سے اتنا اجتناب
گفتگو کی ہر ادا بیگانۂ آداب ہے،
فقرے فقرے سے ٹپکتا ہے اخوّت کا لہو
گرم پلکوں میں مروّت کی لچک نایاب ہے
عشرتوں کی چند نازک ساعتوں پر یہ غرور
'یہ تو اک اندھے شرابی کا سہانا خواب ہے،

# حدیثِ حشر

(آغا حشر کاشمیری کی وفات پر)

کیوں نہ ہو بزمِ سخن سنجاں اثر گیرِ ملال
حشر کا مُلکِ عدم کو ہو گیا ہے انتقال
اس کا افسانہ بھی عبرت کا مرقّع ہو گیا
جس کا دل تھا سر بسر آئینۂ ماضی و حال
جانشینی کے لئے کوئی نظر آتا نہیں
ہائے کیسا آدمی تھا بے نظیر و بے مثال
اب سوا اشکوں کے دامانِ نظر میں کچھ نہیں
قہقہوں کا یہ نتیجہ، زمزموں کا یہ مآل؟

سربلندوں کو دکھا دیتا ہے نیچا ایک دن
یہ جہانِ بے وفا، یہ آسمانِ بدخصال؛
ہوشیار اے شاعرِ وارفتۂ کیفِ قلم
ہے تجھے لازم عناصر میں خرد کے اعتدال
کیونکہ جب تک ہے ترا طوطی چمن میں نغمہ ریز
مل نہیں سکتی زمانے میں تجھے اپنی مثال
ہے مگر یہ فی الحقیقت اک فریبِ چشم وگوش
یہ کھُلی آنکھوں کا خوابِ خُلد ہے حُسنِ خیال
عشرت اندوزی بس اک ہنگامۂ اوہام ہے
اس ملال آباد میں کیا ہے بجُز رنج وملال
کن ہواؤں میں اُڑا جاتا ہے منزل کے خلاف
راکبِ ہستی! عنانِ مرکبِ ہستی سنبھال

ہے نسیمِ صبح کا پیغام، آہِ سرد کھینچ!
بادِ صرصر کا اشارہ ہے جہاں پر خاک ڈال
کہتی ہے تیرے قدم چھُو کر شعاعِ آفتاب
"ہر زوالے را کمالے، ہر کمالے را زوال"

## گُناہ

ڈال ہر پہلو پہ دنیا کے نگاہِ شانہ کار
پیٹتا ہے کس لئے اوہامِ باطل کی لکیر
عزم کی اُس جُراَتِ لرزاں کو کہتے ہیں گناہ
ابتداء سے جس کی تھرّا جائے انساں کا ضمیر

# کلیر کا عُرس

صابر کے درِ پاک کے بے صبر فقیرو!
بہروپ ہے بہروپ، صداقت ہے صداقت
مانا کہ یہ دریوزہ گری ہے تمھیں شایاں
ورثہ میں ملی ہے تمھیں غیرت نہ شجاعت
جو مرد ہیں لیکن وہ گدائی نہیں کرتے
تمُ دامنِ تہذیب پہ ہو داغِ نجاست
تمُ شرک کے دلّال ہو بدعت کے نمکخوار
سینوں میں اُجالا ہے نہ رُوحوں میں حرارت

مبروُص عقیدوں سے ہیں مُفلوج ارادے
مُفلوج ارادوں میں ہے قوموں کی ہلاکت
چہرے ہیں کہ بیمار دماغی کے مرقّعے
حُلیئے ہیں کہ ایمان فروشی کی شہادت
جس صاحبِ عرفاں کا تمھیں نام ہے ازبر
تعلیم ہے اس مردِ مجاہد کی قناعت
آنکھیں ہیں تو آئینہ اُٹھاؤ کہ تمھارے
بشروں سے نمایاں ہے ضمیروں کی علالت
وہ قوم سرافراز کبھی ہو نہیں سکتی
جس قوم میں ہوتی ہے مزاروں کی تجارت

# آری اور لسولا!

(ایک خوش خلق دنیادار سے)

بہ ظاہر مُسکرا کر ملنے والے! خدا دے تجھکو جذبِ غمگساری
کبھی رہتے نہیں یکجا بیک وقت یگانہ واری و بیگانہ واری
یہ دُنیا یہ کشاکش، یہ تماشا ہے اک خوابِ ہجومِ بیقراری
دلِ گمراہ پر انکارِ تقدیر؟
غلامی پر غرورِ شہریاری؟
تپا کر دیکھ شامِ زرفشاں کو شفق میں ڈھونڈ رازِ لالہ کاری
اُلٹ کر دیکھ شب کے تیرہ اوراق کُریدا اپنی سحر کی تابداری!

بصارت میں کر آسودہ ضیائیں    عمل کو دے نہ اذنِ خامکاری!

"تغافل نے فنا انجامیوں پر
لگا رکھی ہے مُہرِ پائداری!"

نہیں یہ مرد کے جینے کا انداز    کہ ہے خود پروریٔ عصیاں شعاری

نہیں اچھا بسولا ہو کے چلنا
گذر بزمِ جہاں سے بن کے آری

## تقدیسِ محبّت

وہ فسانہ جو نگاہوں میں اُلٹتا ہے ورق
توڑ کر ضبط اُسے مائلِ فریاد نہ کر!
اسی اک رازِ محبّت سے ہے انساں کا وقار
لا کے ناساز فضا میں اُسے ناساز نہ کر

# لہریں!

## ہندی گیت

# سُپنا ہے سنسار

ریت جگت کی پریت سے خالی سُپنا ہے سنسار
سیس نوا کر چھرنا روے چھوڑ کے اُتم دیس
اُس کی چنتا رام ہی جانے جس کا پی پردیس
ساون اور پھر بدری کاری بوندنیوں کے تار
ریت جگت کی پریت سے خالی سُپنا ہے سنسار
دھرم دیا پروان چڑھت ہیں گھونگٹ پٹ کی اوٹ
ست وادی پھر ست وادی ہی کھوٹ ہی آخر کھوٹ
بھور بھئی تج نیند ترالی چمکا چمکن ھار

ریت جگت کی پریت سے خالی سپنا ہے سنسار

سکھ کے بھیس میں دکھ آوت ہے مورکھ یہ مت بھول

پھولن میں ترشول بسیت ہیں ترشولن میں پھول

کوئل کوکت ڈاری ڈاری باگن سے ہشیار

ریت جگت کی پریت سے خالی سپنا ہے سنسار

## برہ کی رین

دیپک جاگے دن چھپا، گھٹا پون کا زور

پنگھٹ سونا ہو گیا، چھائی گھٹا گھنگھور

بھولی بسری آگئی پھر ساجن کی یاد

نینن سے لاگی جھڑی کٹنا رین کٹھور

# جھوٹے جگ کی پریت

جھوٹے جگ کی جھوٹی پریت
نین ہیں سونے موہن آجا
من مندر میں جوت جگا جا
نربھاگن کو درس دکھا جا
دنیا کپٹن کس کی میت جھوٹے جگ کی جھوٹی پریت
کلجگ بیتیا کرجگ آیا
ہر وستو نے پلٹی کایا
ہردے ہردے پاپ سمایا

اُلٹی نگری اُلٹی ریت جھوٹے جگ کی جھوٹی پریت

دُنیا ساون رین کا سپنا
موہ نگر میں چین کا سپنا
رُوپ انوپ ہے نین کا سپنا

کِس کی ہار اور کِس کی جیت جھوٹے جگ کی جھوٹی پریت

دھوکا ہے سنسار میں دھوکا
نر میں دھوکا نار میں دھوکا
پریم میں دھوکا پیار میں دھوکا

پھیکی تانیں بے رس گیت جھوٹے جگ کی جھوٹی پریت

# ساون رین

پپیہا بولت ہے اُس پار
پریت کرن کی ریت نہ جانی
ہائے پیا نے کی من مانی
نینن ترسیں برسے پانی
سووت ہے سنسار، پپیہا بولت ہی اُس پار
ساون آیا آپ بن پھولے
باگن میں لہرائے جھولے
وہ کیا مجھ پاپن کو بھولے

بھول گیا سنسار، پپیہا بولت ہے اُس پار

بجلی برچھی چمکاتی ہے

نینن سے نیند اُڑ جاتی ہے

ہچکی پر ہچکی آتی ہے

آئے نہیں بھرتار، پپیہا بولت ہے اُس پار

## اشانتی

پریت کا سپنا دیکھ کے جگ کی ریت نہ بھائے

ہوک اُٹھے چھاتی جلے جیرا ابھر بھر آئے

پریم ڈگر کی ٹھوکر ہے ترشولن کی باڑ

پاپی من کا ہو بُرا اسی ٹھور لے جائے

# پریت ہے من کا روگ

پریت ہے من کا روگ
سکھی ری
پریت ہے من کا روگ

انگ ہے اگنی نینن پانی
بولت ہیں سب وِش کی بانی
ویوگ میں بیتی جات جوانی
اَتی کٹھن سنجوگ
سکھی ری
پریت ہے من کا روگ

دھرتی چُپ آکاش اندھیرا
روٹھ گیو نینن سے سویرا
برہن کا من دُکھ کا ڈیرا چھایو جگ میں سوگ
سکھی ری
پریت ہے من کا روگ

چھب دکھلا جا کرشن مُراری
درس کے پیاسے ہیں نرناری
کھائی ہے ایسی پریم کٹاری ویاکُل ہیں سب لوگ
سکھی ری
پریت ہے من کا روگ

# جگ میں تمہاری جوت

جگ میں تمہاری جوت
تم چاہو سو ہوت

اُپ بن سُندر بھیس تمہیں سے
دیس دیا کا دیس تمہیں سے
تم سے من میں پریم کا پوجن
تم چاہو سو ہوت
جگ میں تمہاری جوت

تم سے سُورج چاند کی پھیری
شام سویرا، رین اندھیری
کرنی تمہارے در کی بھکارن

تُم چاہو سو ہوت

جگ میں تمہاری جوت

دکھیاؤں کے پالن ہارے

کشٹ جگت سے ٹالن ہارے

دُشٹ جنوں کی جان کے دشمن

تم چاہو سو ہوت

جگ میں تمہاری جوت

## برکھا

بادل گرجے، مینہ پڑے، کوئل راگ سُنائے

بھیگی دھرتی سانس لے، جھینگر شور مچائے

یہ چنتا میں ہوگیا مجھ برہن کا حال

جوں جوں ٹھنڈی رین ہو اگنی لاگی جائے

# شام کی بنسری

برج باسیوں میں شام بنسری بجائے جا
مستیاں اُبل پڑیں
مدھ بھری صداؤں سے
پریم رس برس پڑا
من چلی ہواؤں سے
مُسکرا رہی ہے شام، شام مُسکرائے جا
برج باسیوں میں شام، بنسری بجائے جا
گوپیوں کو سُدھ نہیں
مستیوں میں جوش ہے

راگ رنگ میں ہے غرق
رنگ سے فروش ہے
جھومتی ہے کائنات، جھوم کر جھمائے جا
برج باسیوں میں شام نبسری بجائے جا
سو گئی ہے من کی ہوک
راج بھاگ جاگ اُٹھے
گرم ہیں لگن کے تار
پریم راگ جاگ اُٹھے
راگ سے جگائے جا! خواب سے جگائے جا
برج باسیوں میں شام نبسری بجائے جا

# جھوٹی پریت

جگ کی جھوٹی پریت ہے، لوگو جگ کی جھوٹی پریت
پاپن نگری کالی نگری
دھرم دیا سے خالی نگری
پاپ سے پلنے والی نگری
پاپ یہاں کی ریت
جگ کی جھوٹی پریت ہے، لوگو جگ کی جھوٹی پریت
فانی ہے یہ دُنیا فانی
اُٹھتی موجیں بہتا پانی
چھوڑ بھی اس کی رام کہانی

## کس کی ہوئی یہ میت

جگ کی جھوٹی پریت ہے لوگو جگ کی جھوٹی پریت
موہ کے دن ہیں دکھ کی راتیں
لوبھ کے پھندے پاپ کی گھاتیں
پریم کے رس سے خالی باتیں
ہار رہیاں کی جیت!
جگ کی جھوٹی پریت ہے لوگو جگ کی جھوٹی پریت

---

## دوہا

جوبن پیاسا پریم کا پریم درشنی ریت
سپنا ہے سب باورے کون کسی کا میت

# ایوانِ تغزّل

# ایوانِ تغزّل

وہ آرہے ہیں بہار در بر لیئے ہوئے حشر زندگی کا
ٹھہر ٹھہر گریۂ مسرّت بھرم نہ کھُل جائے عاشقی کا

نظر پہ جلووں کی حکمرانی دلوں پہ مایوسیوں کا پانی
اگر چھڑا لے اُمید دامن کہاں ٹھکانا ہے آدمی کا

نگاہِ ساقی کی مے فروشی خرد کو جھُولا جھُلا رہی ہے
برس رہے ہیں خودی کے نغمے یہ فیض ہے سازِ بیخودی کا

زمیں کے ذرّوں پہ خواب طاری فلک پہ تاروں کی نیند آنکھیں
یہ زندگی کی سحر ہے کیسی سماں ہے سب شامِ زندگی کا

جبیں ہے نقشِ قدم پہ اُن کے خلافِ آئینِ رسمِ اُلفت
جبیں پہ نقشِ قدم ہو اُن کا، یہی ہے معیار عاشقی کا

ہے ختم اب جانکنی کا منظر نگاہ سجدے میں جُھک گئی ہے
خدا خدا کرکے مدّتوں میں خمار ٹوٹا ہے زندگی کا

دلوں کے دولتکدے ہیں خالی وفا کے جوہر نہیں کسی میں
دُہائی اے دشمنو دُہائی فریب خوردہ ہوں دوستی کا

ہُوا موافق بھی ہو تو کیا ہے نہیں بدلتا نظامِ فطرت
دم آ کے ساحل پہ ٹوٹتا ہے شناورِ بحرِ زندگی کا

ہر ایک سجدہ ہوا نمایاں خودی کے دامن پہ داغ بن کر
خدا سے بھی منحرف ہوں جب سے مآل دیکھا ہے بندگی کا

نگاہ کو خوب و زشت کی دلفریب افتاد سے بچا لے
اسیرِ نیرنگیٔ تجلّی یہ ہے تماشا روا روی کا

ستانتوں کو کچل کے آنسو مژہ پہ کیوں تھرتھرا رہے ہیں
کہو تو احسانؔ حال کیا ہے مزاج کیسا ہے بیکسی کا

---

اے عشقِ تازہ کارِ غمِ این و آں نہ ہو
زنہار دل گرفتۂ سود و زیاں نہ ہو
وہ راہ راہِ منزلِ جاناں ہے ہم سفر!
جس راہ میں وجود و عدم درمیاں نہ ہو
یہ دیر یہ حرم یہ کلیسا یہ صومعہ!
سجدہ کا کیا قصور کہاں ہو کہاں نہ ہو
وہ مسکرا رہے ہیں بہ اندازِ دلبری
یہ میرے ضبطِ غم کا کہیں امتحاں نہ ہو

یہ بیقراریاں یہ تڑپ بے سبب نہیں
نظروں میں بجلیوں کی مرا آشیانہ ہو
نشو ونمائے غم سے ہے نشو ونمائے عشق
ضبطِ فغاں نہ ہو تو محبّت جواں نہ ہو
دیر و حرم میں جا کے اُلٹتا ہے دم مرا
دل ہی کے آس پاس ترا آستاں نہ ہو
اب ہے قدم قدم پہ گُمانِ وطن مجھے
احسان اس طرح کوئی بے خانماں نہ ہو

---

وہ میری بزمِ تصوّر پہ چھائے جاتے ہیں
نظر سے چھپتے ہیں دل میں سمائے جاتے ہیں

ہے حسن و عشق کی فطرت میں فرق بس اتنا
وہ ہنس رہے ہیں ہم آنسو بہائے جاتے ہیں

مرے نیاز سے پیدا ہیں ناز کے تیور
وہ سر بسر مری ہستی پہ چھائے جاتے ہیں

زہے نصیب وہ آنسو ہیں اور مرا دامن
جن آنسوؤں سے ستارے بنائے جاتے ہیں

خدا کی دین ہے وہ عجزِ عشق بھی جس میں
غرورِ حسن کے انداز پائے جاتے ہیں

میں اُس مقام پہ گم ہو گیا جہاں دن رات
مسیح و خضر کو رستے بتائے جاتے ہیں

فغاں فغاں! کہ جنھیں مارِ آستیں کہئے
وہ لوگ میرے رفیقوں میں پائے جاتے ہیں

مری وفا پہ نہ جا حُسن کی شکست کو دیکھ!
تری جفا کے قدم ڈگمگائے جاتے ہیں'
اگرچہ اب مجھے غم راس آگیا لیکن
کسی کے لُطف و کرم یاد آئے جاتے ہیں
وصال و ہجر کے پردے میں رات دن احسان
حیات و موت کے خاکے بنائے جاتے ہیں؟

---

غنا کا عشرتکدہ ہے خالی یہاں سے رختِ سفر اُٹھالے!
خوشی سے پامالِ ناز ہوجا! نیاز کو خواب سے جگالے!
حدودِ چشمِ طلب سے بچ کر مذاقِ ضَو افگنی سے حاصل؟
مری نگاہوں کو بھیک دیدے مری تمنّاؤں کی دُعالے!

ہے کس کا دیر اور کہاں کا کعبہ حقیقتیں مجھ پہ کھُل چکی ہیں
میں تجھکو سجدہ کروں گا تجھکو! یقیں نہیں ہے تو آزمالے!
دکھا کے تاروں میں اپنا جلوہ کوئی تو مجھ کو یہ کہہ رہا تھا
ہماری فرقت میں رونے والے! نظر تو سوئے فلک اُٹھالے!
جلا کے کر دے گا پاک تجھکو یہ عشق کا جانگداز شعلہ
نظر میں سوزِ دوام بھرلے جگر کو آتشکدہ بنالے!
خیالِ سود و زیاں عبث ہے گھرا ہوا ہے الم کا بادل
بدلنے والا ہے وقت کروٹ جو مُسکرانا ہو مُسکرالے!
عبادتیں کر کے اپنے آگے دُعا میں دستِ سوال کیسا
سرِ تکبّر کبھی تو آخر خدا کی درگاہ میں جُھکالے!
ہے بخششِ عشق اضطرابی، یہی ہے بنیادِ کامیابی
صنمکدوں کی تجلّیوں سے نگاہ میں بجلیاں بسالے!

ضبط بھی، صبر بھی امکان میں سب کچھ ہے مگر
پہلے کمبخت مرا دل تو مرا دِل ہو جائے

آہ اس عاشقِ ناشاد کا جینا اے دوست!
جس کو مرنا بھی ترے عشق میں مشکل ہو جائے

کامراں ہے وہ محبّت جو بنے روح گداز
دردِ دل حد سے گذر جائے تو خود دل ہو جائے

محفلِ دوست میں چلتا تو ہوں اے دیدۂ شوق
عشق کا راز نہ افسانۂ محفل ہو جائے

قابلِ رشک بنے زندگیٔ عشق اُس کی
جس کی تو زندگیٔ عشق کا حاصل ہو جائے

اپنے احسان کو تو ہی کوئی تدبیر بتا
جس سے یہ ننگِ محبّت ترے قابل ہو جائے

میں اُس کی شانِ کرم کے صدقے دیا ہے احسان مجھکو کیا کیا
خموشیوں کی فغانِ پیہم سکوں کی آہیں نظر کے نالے!

جستجو رہروِ اُلفت کی جو کامل ہو جائے!
شوقِ منزل ہی چراغِ رہِ منزل ہو جائے۔
ہائے یہ جوشِ تمنّا یہ نگونساریٔ عشق
وہ جو ایسے میں چلے آئیں تو مشکل ہو جائے
جستجو شرط ہے منزل نہیں مشروطِ طلب
گُم ہو اس طرح کہ گردِ رہِ منزل ہو جائے
وصل کا خواب کُجا لذّتِ دیدار کُجا
ہے غنیمت جو ترا درد بھی حاصل ہو جائے

ترانہ ترے حُسن کا گا رہا ہُوں
در و بام کو وجد میں لا رہا ہُوں

تصوّر میں ہیں تیری رفعت کے نقشے
نگاہوں سے اپنی گرا جا رہا ہُوں

شبابِ محبّت سے مانوس ہو کر
مآلِ محبّت سے گھبرا رہا ہوں

کلیجا اُمکتا ہے ہونٹوں کی جانب
بمشکل طبیعت کو بہلا رہا ہوں

اُمیدوں پہ مایوسیاں حکمراں ہیں
تمنا کی جُرأت پہ شرما رہا ہوں

نہ جانے محبّت کا انجام کیا ہے
میں اب ہر تسلّی سے گھبرا رہا ہوں

کہیں رازِ اُلفت نہ ہو جائے رُسوا
نگاہوں کو زنجیر پہنا رہا ہوں
نہیں کچھ خبر منزلِ زندگی میں
کہاں سے چلا ہوں کہاں جا رہا ہوں
ہیں احسان اپنے مآلِ وفا کی
تصوّر سے تصویر کھنچوا رہا ہوں

---

ترے آئینہ سے ہے بڑھ کر مجلّا
مرے دل کو آئینہ گر آزما لے!
دکھا دے ہمیں بھی کبھی اک تجلّی!
ہمارا بھی ذوقِ نظر آزما لے!

مرے گریۂ رائیگاں پر کرم کر
تبسّم کو بارِ دگر آزمالے!
قفس کو بھی صیّاد لے کر اُڑوں گا
مری طاقتِ بال و پَر آزمالے!
بڑا عزم ہے دل کو ضبطِ الم پر
اسے کوئی بیدادگر آزمالے!
جسے لوگ کہتے ہیں احسانؔ دانش
یہی ہے وہ آشفتہ سر آزمالے!

---

بنا دیں گی دُنیا کو اک دن شرابی
یہ بدمست آنکھیں یہ ڈورے گلابی

ہیں قصرِ محبّت کے معمار دونوں
نگاہوں کا دھوکا، دلوں کی خرابی

یہ کفرِ مجسّم، یہ زہرِ سراپا
یہ گنجانِ گیسو، یہ روئے کتابی

ہر اک شے میں تم مُسکراتے ہو گویا
ہزاروں حجابوں میں یہ بے حجابی

ابھی تک نگاہوں پہ چھائی ہوئی ہے
وہ مستی میں ڈوبی ہوئی نیم خوابی

عبث عشق کو انتظارِ اثر ہے
اثر تک کہاں آہ کی باریابی

بجز اس کے احسان کو کیا سمجھئے؟
بہاروں میں کھویا ہوا اک شرابی

نہیں سُن سکیں گے جب وہ مرے درد کا فسانہ
تو فضول کیوں گنواؤں میں وقارِ عاشقانہ

گئی چھوڑ کر قفس میں مجھے گردشِ زمانہ
کہ شمارِ جُرم میں ہے جہاں ذکرِ آشیانہ

مجھے چپ سمجھنے والے تجھے کیا خبر کہ گُم ہے
ترے نغمۂ سحر میں مرا نالۂ شبانہ

تجھے کس طرح بتاؤں کہ ہے محترم کہاں تک
مرے عشق کی نظر میں ترے حُسن کا زمانہ

غمِ ہجر بے اثر ہے جو ہو ذوقِ وصل کامل
مجھے یادِ گلستاں میں ہے قفس بھی آشیانہ

یہ اُڑی اُڑی سی رنگت یہ کھُلے کھُلے سے گیسو
تری صبح کہہ رہی ہے تری رات کا فسانہ

ترے ہجر و وصل کی ہے یہی شرح عاشقی میں
وہ ہے مرگِ نامرادی، یہ حیاتِ جاودانہ
تو نواز شوں پہ آئے تو بتا کہ چیز کیا ہے؟
مرا زعمِ خود شناسی، مرا نازِ شاعرانہ،

---

میں جب اُن کو تغافل پر پشیماں دیکھ لیتا ہوں
غرورِ عشق کو سر در گریباں دیکھ لیتا ہوں
کبھی جب منظرِ گورِ غریباں دیکھ لیتا ہوں
مآلِ ہستی و انجامِ انساں دیکھ لیتا ہوں
تصوّر کی حریری چلمنوں میں جب وہ آتے ہیں
میں ہر خارِ مژہ کو گُل بداماں دیکھ لیتا ہوں

ترے فیضِ قدم سے اے بہارِ گلستاں پرور!
بقدرِ چاکِ دل چاکِ گریباں دیکھ لیتا ہوں

نقابِ کثرتِ عالم بھی تیری خود نمائی ہے
کہ میں تجھکو بہر اندازِ عنواں دیکھ لیتا ہوں

نشیمن کے وہ بے ترتیب تنکے ہائے کیا شے تھے
قفس میں آج تک خوابِ گلستاں دیکھ لیتا ہوں

نظر کرتا ہوں جب عقبیٰ کے حیراں کُن فسانوں پر
شبِ ہستی میں اک خوابِ پریشاں دیکھ لیتا ہوں

اسیری میں سکوں مشقِ تصوّر کا کرشمہ ہے
چمن اندر چمن تا حدِّ امکاں دیکھ لیتا ہوں

نہیں احساؔن اب وہ مجلسِ احباب پہلی سی
میں اب انساں سے پہلے ظرفِ انساں دیکھ لیتا ہوں

اس طرح سے اتحّادِ کفر و ایماں کیجئے
بُتکدے میں ماتمِ مرگِ مسلماں کیجئے

تابکے آخر یہ ہستی کی سکوں سامانیاں
بے سروساماں ہو جانے کا ساماں کیجئے

جب وہ رہتا ہے بقولِ خود رگِ جاں سے قریب
ہر نظر کو کیوں نہ پیوستِ رگِ جاں کیجئے

آپ کے بیمار سے اُکتا رہے ہیں چارہ ساز
آئیے اس آخری مشکل کو آساں کیجئے

مژدہ اے وارفتگانِ عشق، پھر آئی بہار
آئیے تعمیلِ پیغامِ بیاباں کیجئے

آرزو اک جُرم ہے جس کی سزا ہے زندگی
زندگی بھر آرزوؤں کو پشیماں کیجئے

جامۂ ہستی بھی وحشت میں ہوا ہے تار تار
کیا جنوں سے شکوۂ چاکِ گریباں کیجئے
ذرّے ذرّے میں ہیں احساںؔ اس کے جلوے آشکار
دیکھئے اور دیکھکر تکمیلِ ایماں کیجئے

---

عشق کو تقلید سے آزاد کر
دل سے گریہ، آنکھ سے فریاد کر
باز آ اے بندۂ حسنِ مجاز!
یوں نہ اپنی زندگی برباد کر
اے خیالوں کے مکیں نظروں سے دور
میری ویراں خلوتیں آباد کر

نزع میں ہچکی نہیں آئی مجھے
بھولنے والے خدا را یاد کر
حسن کو دُنیا کی آنکھوں سے نہ دیکھ
اپنی اک طرزِ نظر ایجاد کر
عشرتِ دُنیا ہے اک خوابِ بہا
کعبۂ دل درد سے آباد کر
اب کہاں احسانؔ دنیا میں وفا
توبہ کر ناداں خدا کو یاد کر

---

منصور بول اُٹھا رسن و دار دیکھ کر،
نازاں ہوں اپنے عشق کا معیار دیکھ کر،

خورشید ہو کہ گُل ہو قمر ہو کہ کہکشاں
دیکھیں گے اور کچھ نہ رُخِ یار دیکھکر

ہے چشمِ شوق تیرے تصوّر سے دادخواہ
تابانیٔ ثوابت و سیّار دیکھکر

بھٹکا ہوں اپنی منزلِ مقصد سے بارہا
آسان جان کر کبھی دشوار دیکھکر

ہیں جبر و اختیار کے نرغے میں چشم و دل
ان کا جمالِ سادہ و پُرکار دیکھکر

اے کاش اب بھی ہو مجھے توفیقِ جرمِ شوق
رحمت بڑھی ہے مجھکو گنہگار دیکھکر

زعمِ خرد میں ٹھوکریں کھا کے باربار
چلنا پڑا زمانے کی رفتار دیکھکر

لے کر رواں ہوا ہے عدم کی طرف کو عشق
ہر جادۂ حیات کو دشوار دیکھکر

غربت کی دوپہر میں خیالِ وطن نہ پوچھ!
گر گر پڑا ہوں سایۂ اشجار دیکھکر

آغوش تیرا رشکِ بہاراں سہی، مگر
گھبرا رہا ہوں صبح کے آثار دیکھکر

احسانؔ جس مکاں میں کبھی جشنِ شوق تھا
روتا ہوں اُس کے اب در و دیوار دیکھکر

---

ایسا نگاہِ پیرِ مغاں میں اثر ہے آج
شیخِ حرم نشیں کا بھی قدموں پہ سر ہے آج

ساون ہے کیف بادہ برنگِ دگر ہے آج
ساقی کا ہوش ہے نہ کچھ اپنی خبر ہے آج

خلوت میں زور پر ہے صنم سازیٔ خیال
نظارہ سے عزیز حجابِ نظر ہے آج

اے کیفِ بیخودی تری معجزہ نمائیاں
ہر جلوۂ مجاز حقیقت اثر ہے آج

شاید ملی کسی کو رہائی بہار میں
بزمِ قفس میں تذکرۂ بال و پر ہے آج

معصومیوں میں آ ہی گیا شوخیوں کا رنگ
ان کی نگاہ اک نگہِ کارگر ہے آج

پھیلا دیا ہے عشق نے دامِ فریبِ خواب
ہر برقِ بیقرار شکارِ نظر ہے آج

ہوں نزع میں وجود و عدم کے دوراہے پر
وا چشم و دل پہ عقدۂ شام و سحر ہے آج
احسانؔ دل میں یاس ہے چہرے پہ بیکسی
پنجاب میں یہ قیمتِ علم و ہنر ہے آج

---

اُف وہ شرم اور اُس پہ جوشِ اضطراب اُن کا
عالمِ قیامت تھا عالمِ شباب اُن کا
تشنہ کام آنکھوں نے اک جھلک سی پائی تھی
آج تک امانت ہے دل میں اضطراب اُن کا
دلخراشِ تنہائی، جانگداز بیتابی
وائے میری بدحالی، ہائے انتخاب اُن کا

ہر نگاہ اک ساغر ہر حجاب اک جلوہ
اُف وہ دل کی دُنیا میں اذنِ انقلاب اُن کا
چھپ گئے نگاہوں سے حشر و نشر کے منظر
پردۂ دو عالم ہے روئے بے نقاب اُن کا
واقعاتِ عالم پر روز خون روتا ہوں
بے وفا زمانہ ہے اب کہاں جواب اُن کا
پی رہے ہیں دیوانے جی رہے ہیں دیوانے
ہے ازل سے گردش میں ساغرِ شراب اُن کا
خوابِ رائیگاں بن کر رہ گئی ہے خودداری
کام کر گیا آخر حسنِ کامیاب اُن کا
کاش یہ خبر ہوتی اک عذابِ جاں ہوگا
اک غریب شاعر پر لطفِ بے حساب اُن کا

وصالِ دوست جو مقصودِ زندگی ہو جائے
ہر ایک دُردکشِ میکدہ وَلی ہو جائے

ہے دردِ لذّتِ شبہائے وصل سے بہتر
مگر وہ درد جو آزارِ دائمی ہو جائے

اگر نگاہ پہ کھُل جائے فلسفہ غم کا
نگار خانۂ عالم سے رُوکشی ہو جائے

بڑھے جو عقل تو قائم ہو کُفر کی بنیاد
جنوں کو وجد جو آئے پیمبری ہو جائے

کنارہ کش ہو اگر تیرا پرتوِ تنویر
سیاہ ماہِ دو ہفتہ کی چاندنی ہو جائے

تمھارے دم سے ہیں ساون کی رونقیں پیدا
تمھیں نہ پائے تو برسات باولی ہو جائے

رہے جو عشق جنوں تک تو موت ہے لیکن
فنا کے گھاٹ سے اُترے تو زندگی ہو جائے
ترے خیال کی تابانیاں ارے توبہ!
کہ شام آئے تو سینے میں روشنی ہو جائے

---

تمئیز من و تو نہیں شایانِ محبّت
اس پردۂ حائل کو حریفانہ اُٹھا دے
اے ساقیٔ میخانہ یہ موسم ہے طرب خیز
کیا سوچ رہا ہے مجھے پیمانہ اُٹھا دے!
دیکھے گا وہی حُسنِ صنم زارِ محبّت
جو فرقِ خدا خانہ و بتخانہ اُٹھا دے

اے قیس! ترے نالۂ بیتاب کا جھونکا
کمبخت نقابِ رُخِ لیلیٰ نہ اُٹھا دے

اے محوِ پرستاریٔ نیرنگیٔ امروز
امروز مبادا غمِ فردا نہ اُٹھا دے

نغمہ نہ الاپو! کوئی دیوانہ اچانک
صحرا سے کہیں پردۂ صحرا نہ اٹھا دے

اے ولولۂ شوق دکھا جُراتِ بیباک
اُٹھ بڑھ کے نقابِ رخِ جانانہ اٹھا دے

---

سلسلہ تیرے جنونِ عشق کا ہر گھر میں ہے
میں اکیلا ہی نہیں عالم اسی چکّر میں ہے

دیکھ کر! اے شکوہ سنجانِ تغافل دیکھکر!
داورِ محشر بھی سنتے ہیں صفِ محشر میں ہے
یہ فشارِ ضبط سے کترا کے جاتا ہے کہاں
روک اس کم ظرف آنسو کو جو چشمِ تر میں ہے

---

کہاں محفل میں مجھ تک بادۂ گلفام آتا ہے
جو میرا نام آتا ہے تو خالی جام آتا ہے
نہ آؤ تم تو پھر کیوں ہچکیوں پر ہچکیاں آئیں
انھیں روکو! یہ کیوں پیغام پر پیغام آتا ہے
یہ ساون، یہ گھٹا، یہ بجلیاں، یہ اُوٹتی راتیں
بھلا ایسے میں دل والوں کو کب آرام آتا ہے

ادب اے جذبۂ بیباک! یہ آہ و فغاں کیسی؟
کہ ایسی زندگی سے موت پر الزام آتا ہے

مدد اے مرگِ ناکامی! نقاہت کا یہ عالم ہے
بڑی مشکل سے ہونٹوں تک کسی کا نام آتا ہے

خدا رکھّے تجھے اے سرزمینِ شہرِ خاموشاں
یہیں آ کر ہر اک بیچین کو آرام آتا ہے

معاذ اللہ مری آنکھوں کا اظہارِ تنگ ظرفی
ٹپک پڑتے ہیں آنسو جب تمھارا نام آتا ہے

زمانے میں نہیں دلدادۂ مہر و وفا کوئی
تجھے دھوکا ہے اے دل کون کس کے کام آتا ہے

اک نظر میرے دلِ ویراں پہ اے جانِ بہار
دے خزاں کے صفحۂ خونیں کو عنوانِ بہار

ہے یہ اک فیاضئ فطرت کہ وہ ہیں اور میں
ورنہ میں تو ننگِ ویرانی ہوں وہ جانِ بہار

دیکھئے کب تک نگاہِ شوق آوارہ پھرے
وہ خرابِ وضعداری میں پریشانِ بہار

اللہ اللہ یہ تغیّر کل تھے طائر نغمہ ریز
اب ہے سنّاٹا چمن میں مرثیہ خوانِ بہار

دیکھ نفرت سے مرے چاکِ گریباں کو نہ دیکھ
یہ نہ ہو تو خاک میں مل جائے سب شانِ بہار

حسرتوں کے ساتھ ذوقِ زندگی کمہلا گیا
گریہ ساماں ہے فضائے خندہ سامانِ بہار

چھپ گیا آنکھوں سے پھر کوئی نگارِ آرزو
ڈھونڈتی ہے پھر نگاہِ شوق دامانِ بہار

پھر ہجومِ غم میں یارانِ وطن کی یاد ہے
پھر دکھایا دل نے اک خوابِ پریشانِ بہار

روتے روتے آنکھ اُٹھا کر دیکھ لیتا ہوں انھیں
لکھ رہا ہوں غم کے افسانے پہ عنوانِ بہار

ہر کلی سے سُن رہا ہوں نغمۂ سازِ الست
ہے صبا کی موج مضرابِ رگِ جانِ بہار

کہتے ہیں احسانؔ مجھ سے ترتبوں کے خشک پھول
کیا چمن والوں پہ گذری اے پریشانِ بہار

گلستاں میں ہر طرف بابِ لطافت باز ہے
جو نسیمِ سرد کا جھونکا ہے روحِ ناز ہے

اب تو ہر دھڑکن کسی کے پاؤں کی آواز ہے
دل میں یارب کون مصروفِ خرامِ ناز ہے

حاصلِ صد گفتگو ہے عشق میں مُہرِ سکوت
ہر نگاہِ آرزو فریادِ بے آواز ہے

آگیا ہوش و خرد کو غش نظر چکرا گئی،
بیخودی! آخر یہ کس کی جلوہ گاہِ ناز ہے

طالبِ خلد نظر جشنِ بہاراں پر نہ پھُول!
یہ چمن کے دردناک انجام کا آغاز ہے

چاند کیا شے ہے ترا دُھندلا سا اک نقشِ قدم
چاندنی کیا ہے تری گردِ خرامِ ناز ہے

عشق کا وجدان ہر پہلو سے ہے بے قید و بند
حُسن کو جس رُخ سے دیکھو گے اسیرِ ناز ہے
دے مجھے ان ڈوبتے تاروں سے پھر آواز دے
سو گیا عالم تمنّا گوش برآواز ہے
پر فشانی کا جہاں جبریل کو یارا نہیں
عشق کو ان رفعتوں میں رخصتِ پرواز ہے

---

یہ کس نے دمِ مرگ صورت دکھا دی
مرے دل سے جینے کی حسرت مٹا دی
ہماری رضا جوئیوں کو دُعا دے
ترے ناز کو بے نیازی سکھا دی

غرورِ وفا کا تو کیا ذکر تم نے
نگاہوں سے ہستی کی گردن جھکا دی

زہے لطفِ ساقی یہ جدّت تو دیکھو
نگاہوں سے بے جام و مینا پلا دی

مری آرزو ہے وہ تعمیرِ خستہ
وفا نے بنائی تغافل نے ڈھا دی

ترے حُسن کی آتشیں چشمکوں کو
جگر نے سراہا نظر نے دُعا دی

دمِ نزع جب سازِ انفاس بگڑا
مرے آنسوؤں پر قضا مسکرا دی

رہا گرچہ احسان دشمن زمانہ
مٹے اس طرح اُن پہ ہستی مٹا دی

اے شرحِ آرزو یہ طریقِ فغاں رہے
ہر سانس ایک درد بھری داستاں رہے
جب اُٹھ چکا حجاب تو اے جانِ انبساط
یہ پردۂ جمال بھی کیوں درمیاں رہے
تھی آرزو کبھی کہ جبیں آستاں پہ ہو
اب تو یہ ہے جبیں نہ رہے آستاں رہے
اس دل کا جس میں دفن ہیں مقتول حسرتیں
آخر ترا خیال بھی کیوں رازداں رہے
رہتا ہے ساتھ دیکھنے والوں کا اژدحام
اک محشرِ نگاہ رہا تم جہاں رہے
یوں دن گذار کُنجِ قفس میں کہ مدّتوں
صیّاد کی زباں پہ تری داستاں رہے

احساںؔ اس ہجومِ تصوّر کو کیا کروں
یہ بجلیاں بھی ساتھ رہیں ہم جہاں رہے

---

اُمڈ پڑتے ہیں دردانگیز نغمے بزمِ امکاں پر
تمھاری یاد اک مضراب ہے تارِ رگِ جاں پر
پہنچنے ہی کو ہیں حدِ سکوں تک مضمحل نبضیں
تمھیں ہنسنا ہے ہنس لو دو گھڑی حالِ پریشاں پر
جو آنسو ہے وہ اک قندیل ہی بیتابِ جلوؤں کی
یہ کس نے ٹکٹکی باندھی ہے میری چشمِ گریاں پر
ازل ہیں زندگی کی ضو سے دُنیا جگمگا اُٹھی
قضا نے قہقہہ مارا اگر انجامِ انساں پر

کہیں گلشن کہیں قوسِ قزح کی رنگ افشانی
حکومت ہے تری رعنائیوں کی چشمِ انساں پر

حقیقت آشنا داغِ الم سینے میں رکھتے ہیں
یہ اک مُہرِ صداقت ہے کتابِ قلبِ انساں پر

جو کرنا تھا رے دیوانگانِ عشق کر گزرے
سحر اب حشر تک ہنستی رہے چاکِ گریباں پر

میں نا زِ ناخدا احساں آخر کیوں اُٹھاؤں گا
بھروسا ہے مری غرقابیوں کو زورِ طوفاں پر

---

ہوتے جدا نہ کاش ابھی گلستاں سے ہم
پردہ اُٹھا رہے تھے بہار و خزاں سے ہم

تم جس گھڑی ملے تھے بچھڑنے کے واسطے
اب اس گھڑی کو ڈھونڈ کے لائیں کہاں سے ہم

ہنسنا گلوں نے ابر نے رونا سکھا دیا
واقف نہیں تھے رسم و رہِ گلستاں سے ہم

منسوخ کفر و دیں کے فسانے ہیں اس جگہ
باہر ہیں اب احاطۂ کون و مکاں سے ہم

آغاز کا ثبوت نہ انجام کا یقیں
ایسے کٹے ہوئے ہیں کسی داستاں سے ہم

بیٹھے ہیں اُن کے در پہ بسائے ہوئے جہاں
اُٹھیں گے اب تو حشر اُٹھا کر جہاں سے ہم

احسانؔ کھلنے والا ہے بابِ حریمِ قبر
اُترے کھڑے ہیں توسنِ عمرِ رواں سے ہم

تمام شد

# فہرست کتب مکتبۂ دانش مزنگ لاہور

## تاریخی

تاریخ فلسفہ اسلام۔ مترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔اے پی ایچ۔ڈی۔ قیمت ... عا

تاریخ الامت۔ ازمولانا اسلم جیراجپوری ... ... ... ... ... ۱۲

تاریخ ہند قدیم۔ ازمسٹر کے ایم پانیکار مترجمہ مولانا نیاز فتحپوری ... ... ... ۸ر

سیرۃ نبوی اور مستشرقین۔ از ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب پی۔ایچ۔ڈی ... ... عہ

عربوں کا تمدن۔ از سید نذیر نیازی بی۔اے ... ... ... ... عا

تاریخ مغربی یورپ۔ ازمولوی محمد یحییٰ صاحب تنہائی۔اے ... ... ... عا

المدینۃ والاسلام۔ مترجمہ رشید احمد انصاری ... ... ... ... عا

تذکرہ بابر۔ ازمولوی حبیب الرحمٰن شروانی ... ... ... ... ۶ر

سلاطین وقائدین اسلام۔ ازمولانا یوسف بخاری ... ... ... ... عہ

غدر ۱۸۵۷ء کا دوسرا رخ۔ از چودھری حسام الدین صاحب بی اے ... ... عہ

دولت غزنویہ۔ ازمولانا محمود الرحمٰن ندوی ... ... عا

فلسفۂ تاریخ۔ از شیخ غلام محمد احمد ایم۔اے۔ام۔او۔ایل ... ... ۸ر

حاجی بابا اصفہانی۔ دو حصے از مولانا جوہر نجیب آبادی ۲؍۸
تاریخ زوال روما۔ از سید مطلب حسین بی اے ۴؍۸
حجاج بن یوسف۔ از سید ظہور احمد ۴؍۸
محمد بیرم خاں ترکمان۔ از کوثر چاند پوری ۱؍
قاموس المشاہیر۔ مرتبہ نظامی پریس بدایوں ۱۰؍
نور جہاں۔ از سید احمد کاظمی مسلم یونیورسٹی ۱؍
حالات جہانگیر۔ از معشوق حسین خاں علیگ ۸؍
حیات ناصر الدین شاہ ایران۔ از عبد الحلی ۱؍
چار یار۔ از مجیبی قیمت ۱؍

المامون۔ از مولانا شبلی نعمانی قیمت ۱؍۸
فتح قسطنطنیہ۔ از بدر الدین احمد بی۔اے ۱؍۴
انقلاب فرانس از باری علیگ ۱۲؍
کمپنی کی حکومت۔ " ۱؍۸
اورنگ زیب پر ایک نظر۔ از علامہ شبلی نعمانی ۸؍
تاریخ یونان قدیم۔ از ہاشمی فرید آبادی ۱؍۸
حیات خسرو۔ از مولانا شبلی نعمانی ۸؍
تاریخ مغرب۔ از محمد جمیل الرحمٰن ایم۔اے ۱؍۸
مہاتما رسکن۔ از آنند بی۔اے ۱؍

# لغات

قاموس الاغلاط۔ از مولانا سید مختار احمد و مولانا ذہین ... ۲؍
قران السعدین۔ از راجہ راجیشور راؤ اصغر ... ۲؍۸
مجمع الفاظ۔ " " " ... ۱؍۸
القاموس الجدید۔ " " " ... ۱؍۸
فرہنگ فارسی جدید۔ " " " ... ۱؍۸

## ادب و تنقید

مسلمانوں کی آئندہ تعلیم از مولانا سلیمان ندوی ۵ر
ضبطِ نفس اور نفس پرستی ۔ ترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ... ۱۲ر
اربابِ نثر اردو ۔ از مولوی سید احمد ایم اے عہ
اردو میں ڈرامہ نگاری ۔ از بادشاہ حسین عہ
اسالیب بیان اردو ۔ از ڈاکٹر محی الدین زور ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی عہ
ورڈز ورتھ کی شاعری ۔ میر حسن ایم ۔ اے عہ
روحِ نظم ۔ از مولانا تاجور نجیب آبادی ۱ر
کانٹ ۔ از ولی الرحمٰن ایم ۔ اے عہ
عام فہم عروض ۔ از منظر صدیقی ... عہ
خدا کی بادشاہت ۔ از پرنس حلیم وزیر ٹر کی مترجمہ ہاشمی فرید آبادی ۱۲ر
لیلیٰ کے خطوط اور روزنامچہ از قاضی عبدالغفار عہ
سرگذشتِ الفاظ ۔ از مولوی احمد دین عہ
مقالاتِ شبلی ۔ از مولانا شبلی رح عہ

صلاحِ کار ۔ از چودھری محمد علی صاحب ۸ر
جدید اردو شاعری ۔ ڈاکٹر محی الدین زور ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی قیمت ۳ر
مقالاتِ عبدالحق ۔ از مولانا عبدالحق بی ۔ اے عہ
تنقیداتِ عبدالحق ۔ " عہ
ٹیگور اور اس کی شاعری ۔ از سردار علی عہ
داغ ۔ از نوراللہ نوری ... عہ
مطائبات ۔ از سندباد جہازی .. عہ
الدین از جسٹس کرامت حسین الہ آبادی عہ
خرافاتِ عزیز ۔ از مرزا یاس یگانہ ۸ر
چراغِ سخن ۔ " عہ
اقبال ۔ از مولوی احمد دین صاحب عہ
شعر العجم ۔ مولانا شبلی مرحوم عہ
خضر عروض ۔ از احسان دانش ۸ر
گہوارۂ تمدن ۔ مولانا نیاز فتحپوری عہ
داستانِ عجم ۔ از نواب نصیر حسین خیال عظیم آبادی عہ

فکرِ بلیغ - از حضرت شاد عظیم آبادی عہ
طرۂ امیر - از امیر احمد علوی بی - اے عہ
تین شاعر - از سید محی الدین قادری زور
ایم - اے - پی - ایچ - ڈی عہ
اُردوئے قدیم - از حکیم شمس اللہ قادری عہ
مکاتیب امیر مینائی - از پروفیسر مولوی احسن
اللہ صاحب ثاقب عہ
مشاطہ سخن - از صفدر مرزاپوری عہ
مشاطہ سخن - " " عہ
اقبال کا شاعرانہ زوال - از جناب سید
گوشہ نشین صاحب عہ

شرح کلام غالب - از مولانا عبد الباری آسی ۳ روپے
یادگار انیس - از مولوی امیر احمد علوی عہ
اعظم الاخلاق - جناب حبیب احمد صاحب عہ
مآثر الکلام - از علامہ بگرامی ... ۳ روپے
ہندوستانی لسانیات - از ڈاکٹر سید محی الدین
قادری زور ایم - اے پی ایچ ڈی عہ
خطوط سر سید - مرتبہ راس مسعود صاحب ۲ روپے
افراد کا سیہ - از جسٹس کرامت حسین ۸ر
تہذیب عمل - از نسیم رضوانی ۶ر
مرقع ادب - از جناب صفدر
مرزاپوری ... ۲ روپے

## منظومات

شعرستان - از محمود اعظم صاحب عہ
انتخاب حسرت - از جلیل احمد قدوائی ۸ر
صوت تغزل - از نظم طباطبائی عہ

انتخاب سودا - مرزا ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری ۸ر
انتخاب میر - " " ۸ر
عشق و محبت - از تاج " عہ

جواہر کلیات نظیر اکبر آبادی - از سید غلام مصطفےٰ صاحب عہ

تصویر افکار - از محمد سردار علی صاحب ۸ر
بہار جاوداں - از ولی وارثی دخان صابر خلیلی - ... عہ؍
شاہد معنی - از ماسٹر باسط بسوانی عہ ر
نقش دوام - از عدم ... عا؍
قصائد عزیز - از جناب عزیز لکھنوی ہے؍
گلکدہ - " " عہ؍
مادر ہند - از شاد عظیم آبادی ۱۲ر
گلزار داغ - از نواب مرزا خاں داغ دہلوی عہ؍
گہرستان - از شوکت تھانوی عہ؍
آہنگ رزم - از وقار انبالوی ۸ر
متاع درد - از ثاقب کانپوری عا
فغان آرزو - از آرزو لکھنوی عا

من کی بانسری - از جناب امیر صاحب عہ؍
درد زندگی - از احسان دانش کاندھلوی عا؍
نوائے کارگر - " " عا؍
چراغاں - " " عہ؍
آتش خاموش - " " عہ
نفیر فطرت - " " عہ ر
جادۂ نو - " " ۸ر
تفصیل غالب - " " عہ؍
روح نغمہ - از جناب اختر انصاری ۱۲ر
روح جذبات - از پروفیسر اکبر حیدری عہ ر
صبوحی - از ساغر نظامی ... عہ ر
جذبات بھاشا - از نیاز فتحپوری عہ ر
ہزلیات عاشق - از عاشق جالندھری ۶ر

خمکدۂ خیام - از آغا شاعر قزلباش ... ہے ر

## افسانے

دلچسپ افسانے از کوثر چاندپوری عہ
مونا دانا - از جلیل احمد قدوائی عہ؍